ہفت روزہ
لاہور
زیر سرپرستی
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی مدظلہ
شیرانوالہ دروازہ لاہور
۲۹ جون ۱۹۵۶

مسئلہ قربانی

از مولانا ضیاء الدین صاحب قریشی خطیب واہ کینٹ

تمہید: اس مختصر مضمون میں فلسفہ قربانی یا تاریخ قربانی یا منکرین قربانی کا ذکر نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے توفیق بخشی تو کسی وقت اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا۔ فی الوقت اس لئے اس مسئلہ کو پیش کیا جا رہا ہے۔ کہ شاید اللہ تعالےٰ کسی کو عمل کی توفیق نصیب فرما دے۔ تو اس میں حسب ارشاد نبوی الدال علی الخیر کفاعلہ۔ بندہ کا حصہ بھی ہو جائے اور صحت عمل کا ابھی سے فکر ہو جائے۔ ہم اپنے مضمون کو دو حصوں پہ منقسم کرتے ہیں۔

(۱) فضائل قربانی و

(۲) مسائل قربانی

فضائل: ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالےٰ کو پسند نہیں۔ ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے۔ تو زمین تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالےٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے۔ تو خوب خوشی سے اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو۔

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ قربانی کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں۔ ہر ہر بال کے بدلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے

(رواہ احمد و ابن ماجہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۲۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص باوجود وسعت کے قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

سبحان اللہ کتنی بڑی قیمت بتائی قربانی کی اور ساتھ ہی کتنی ترہیب ہے۔

مسائل :-

جس پر صدقہ فطر واجب ہے اس پر بقر عید کے دنوں میں قربانی کرنا بھی واجب ہے۔ بقر عید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارھویں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے۔ لیکن پہلے دن قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔ نماز عید سے پہلے قربانی کرنی درست نہیں البتہ جہاں عید نہ ہوتی ہو وہاں نماز فجر کے بعد قربانی کر سکتا ہے (ہدایہ و درمختار)

قربانی کے جانور کی عمر

(۱) بکرا اور بکری سال بھر سے کم جائز نہیں

(۲) گائے اور بھینس دو سال سے کم جائز نہیں

(۳) اونٹ پانچسال سے کم جائز نہیں۔

(۴) بھیڑ اور دنبہ ایک سال کا ہی ہونا چاہیئے ہاں اگر اتنے موٹے تازے ہوں کہ سال بھر کے معلوم ہوں۔ اور سال بھر والے بھیڑ اور دنبہ میں چھوڑے جائیں تو کچھ فرق نہ معلوم ہو۔ تو ایسے بھیڑ اور دنبہ چھ ماہ کے جائز ہیں (درمختار)

(وہ عیب جنکی وجہ سے قربانی نہیں ہوتی)

قاعدہ۔ جو عیب زائل کرنے نفع کو کمالی طور پر یا خوبصورتی کو کمال طور پر۔ اسی طرح کا عیب اگر جانور میں ہو تو اس کی قربانی درست نہیں ورنہ درست ہے۔ (عالمگیری)

جو جانور اندھا ہو یا کانا ہو ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو۔ یا ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا ہو۔ یا تہائی دم یا تہائی سے زیادہ جاتی رہی ہو۔ یا جو جانور اتنا لنگڑا ہو کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے۔ چوتھا رکھ ہی نہیں سکتا۔ یا زمین پر رکھ تو سکتا ہے لیکن چل نہیں سکتا۔ یا اتنا دبلا ہو کہ اسکی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ ہو یا جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں یا اکثر دانت گرے ہوئے ہوں۔ یا جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں۔ یا جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹا ہوا ہو۔ تو ان سب صورتوں میں ان جانوروں کی قربانی درست نہیں (عالمگیری و درمختار)

کھال اور گوشت کے مسائل

بہتر یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تیسرا حصہ خیرات کرے۔ اور ایک حصہ رشتہ داروں پر تقسیم کرے قربانی کی کھال اور اس کی قیمت اور قربانی کی رسی اور جھول سب خیرات کر دے اور قصاب کو مزدوری میں کھال نہ دے اور نہ گوشت دے اور نہ چربی۔ بلکہ الگ اجرت دیدے

قربانی کا گوشت تخمیناً تقسیم نہیں کرنا چاہیئے بلکہ ٹھیک پورا پورا تول کر تقسیم کریں۔

(عالمگیری و درمختار)

فہرست مضامین

مضمون	مصنف	صفحہ
مسئلہ قربانی	مولانا ضیاؤالدین	۲
شذرات	ادارہ	۳
عظمت انسان	مولانا عبدالرشید عباسی	۴
خطبۂ جمعہ	مولانا احمد علی	۵/۶
مجلس ذکر	" "	۷
بیٹی کو ماں کی نصیحت	مولانا اعزاز علی رح	۸
نظم	مولانا عبدالمجید سروش	۹
اھدنا الصراط المستقیم	میاں عبدالرحمن لدھیانوی	۱۰/۱۱
امراۃ الاسلام	سید مشتاق حسین بخاری	۱۲
تکمیل حیات	قیوم نوار سعدی	۱۳/۱۴
جدید تہذیب نے جبل قدیم کے کان کتر لئے	ابو یوسف	۱۵
عروج و زوال کے الٰہی قوانین	مولانا محمد تقی	۱۶/۱۸
بچوں کا صفحہ	ماسٹر اللہ دتا	۱۹
ہفتہ وار خبریں	ادارہ	۲۰

(مسائل شتی)

اپنی اولاد کیطرف سے قربانی کا کرنا واجب نہیں اگر چھوٹی اولاد کی طرف سے کی تو یہ قربانی نفل ہو جائے گی۔ اور اگر بڑی اولاد ہے تو پھر اگر اولاد کی اجازت کے ساتھ۔ اس نے قربانی کی تو قربانی درست ہوگی۔ اور اگر بلا اجازت اولاد قربانی کی تو درست نہ ہوگی۔ قربانی میں شرط یہ ہے کہ جانور قربانی کرنے والے کی ملکیت میں ہو۔ اگر اس کی ملکیت نہ ہو تو وہ اس کی قربانی درست نہ ہوگی۔ اگرچہ اس کے حکم سے ہو۔ مثلاً زید کی بکری ہے اور زید نے خالد کی طرف سے قربانی کی۔ تو یہ قربانی خالد کیطرف سے درست نہ ہوگی۔ اگرچہ خالد نے اجازت ہی کیوں نہ دی ہو۔ کیونکہ یہ بکری خالد کی ملکیت ہی نہیں ہے (عالمگیری)

میت کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قربانی جائز ہے۔ اگر میت نے وصیت کی ہے قربانی کی تو پھر اس گوشت کو خیرات کر دے۔ خود اس سے نہ کھائے۔ اگر وصیت نہیں کی تو خود کھا سکتا ہے۔ اگر کوئی گابھن جانور قربانی کر دیا گیا تو قربانی درست ہوگی۔ اور بچہ کو ذبح کر دینا چاہیئے (شامی)

آخری گذارش قربانی سے پہلے عمل قربانی سیکھ لینا چاہیئے۔ دیندار فقہ عالم سے مسائل کی پوری تحقیق کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ روپیہ بھی خرچ کر دیں اور عمل کی شکل غلط ہونے سے سارا عمل ہی ضائع چلا جائے اللہ تعالےٰ ہم سب کو دینی مسائل کے سیکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

خدام الدین (ہفت روزہ) لاہور

جلد ۲ | یوم جمعہ ۱۹ ذیقعد ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۵۶ء | شمارہ ۷

یوم الجزائر

آج پاکستان بھر میں جمعیتہ علمائے پاکستان اور مؤتمر عالم اسلام کے زیر اہتمام یوم الجزائر منایا جا رہا ہے
ع چشم ما روشن دل ما شاد
الجزائر کے متعلق مسلمانان عالم کے جذبات ہر پہلو سے حکومت فرانس کے گوش گزار کرنے کی ضرورت ہے لیکن ہمیں معاف کیا جائے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ دن منانے کی تحریک نے کبھی اچھے نتائج پیدا نہیں کئے اس دن سارا زور جلسے جلوس دھواں دھار تقاریر اور ریزولیوشن پاس کرنے پر صرف کیا جاتا ہے۔ مگر دن گزرنے کے بعد سب کچھ زیب طاق نسیاں کر دیا جاتا ہے۔ آجکل کی دنیا میں ایک آدھ روز مظاہرے کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا متواتر مختلف پہلوؤں سے اپنے مطالبات دہرانے کی ضرورت ہے۔ بلکہ جانی اور مالی قربانی بھی دینی پڑتی ہے۔ تب کہیں شنوائی ہوتی ہے۔ اس کے بعد بھی کوشش کی جاتی ہے۔ کہ اس معاملہ کو کھٹائی میں ڈال دیا جائے۔

ان حالات میں ہم یہ درخواست کریں گے کہ کوئی عملی قدم اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ صرف جلسے جلوس تقاریر اور ریزولیوشن پر اکتفا نہ کی جائے۔ ہماری رائے میں آج کے دن تمام پاکستان میں الجزائر کمیٹیاں بنائی جائیں تاکہ الجزائر کا معاملہ مؤثر طریقہ سے دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ یہ کمیٹیاں مرکزی کمیٹی کے زیر اہتمام جگہ جگہ فرانسیسی اشیاء کے بائیکاٹ کی کوشش کریں۔ جلسے کئے جائیں جلوس نکالے جائیں۔ کاروباری حضرات کی خدمت میں وفد بھیجے جائیں۔ کہ وہ بائیکاٹ کی تحریک کو کامیاب بنائیں جمعہ کے روز مساجد میں ہر جگہ ریزولیوشن پاس کئے جائیں۔ جس میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا جائے۔ کہ وہ فرانس سے سفارتی تعلقات منقطع کرلے۔ مرکزی کمیٹی کا ایک وفد پاکستان میں تمام اسلامی ممالک کے سفراء سے مل کر ان سے درخواست کرے کہ وہ اپنی اپنی حکومتوں پر زور ڈالیں کہ وہ فرانس سے سفارتی تعلقات منقطع کریں۔

سرکاری ملازمین کے گریڈ

حکومت مغربی پاکستان سرکاری ملازمین کے گریڈ بڑھانے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ ہم اسے اس کیلئے مستحق مبارکباد سمجھتے ہیں۔ اس سے کسی شخص کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ موجودہ مہنگائی کے زمانہ میں سب سے زیادہ زد ملازمین کے طبقہ پر پڑی ہے۔ ان میں سے لوئر گریڈ کے ملازمین کی حالت خاص طور پر قابل رحم ہے۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہر طبقہ نے اپنی ضروریات زندگی اس قدر بڑھا لی ہیں کہ ان کو پورا کرنے کے لئے انہیں جائز و ناجائز طریقے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت ستانی اور غبن کے واقعات عام ہو رہے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ اخلاقی جرائم میں ترقی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان کو مالی پریشانیوں سے بچایا جائے۔ لیکن اس موقعہ پر اس بات کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی دوسرے طبقہ پر ظلم نہ ہونے پائے۔ نہ مزید ٹیکس لگائے جائیں اور نہ موجودہ ٹیکسوں میں اضافہ کیا جائے۔ وزراء سپیکر۔ ممبران اسمبلی سیکرٹریوں اور محکمہ کے اعلیٰ افسروں کی تنخواہوں میں کمی کی جائے۔ ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ ان کو ضرورت سے زیادہ تنخواہیں مل رہی ہیں۔ اکثر افسر لاہور کے رہنے والے ہیں اور ان کے لاہور میں اپنے مکان موجود ہیں۔ ان کو جو سکرٹیریٹ الاؤنس ملتا ہے وہ فوراً بند کر دیا جائے۔

گورنمنٹ کے قانون کے مطابق کسی افسر کو اس کے اپنے ضلع میں تعین نہیں کیا جا سکتا۔ ان افسروں پر یہ نوازش کیا کم ہے کہ ان کو ان کے اپنے گھر میں لگا دیا گیا ہے پھر اس پر ان کو الاؤنس بھی دینا اس کے لئے کوئی وجہ جواز نظر نہیں آتی۔

ہماری رائے میں ملازمین کے گریڈ کم از کم ہونے چاہیئے۔ لیکن مہنگائی الاؤنس میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہونا چاہیئے۔ یہ اضافہ ہر فرد کے مناسب حال ہونا چاہئے۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کے مہنگائی الاؤنس میں فرق ہونا چاہئے۔ شادی شدہ کے مہنگائی الاؤنس میں اس کی اولاد کے لحاظ سے کمی و بیشی ہونی چاہیئے۔ ہر ایک کو یکساں الاؤنس دینا سب پر ظلم ہے جن کو ضرورت نہیں وہ وافر دولت کے باعث برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کو ضرورت ہے وہ کم ملنے کے باعث قرض یا رشوت کی لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ قومی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر شخص کی ضرورت کا لحاظ رکھے جس کو زیادہ ضرورت ہے اس کو زیادہ دیا جائے اور جس کو کم کی ضرورت ہے اس کو کم دیا جائے۔

قومی حکومت کا یہ بھی فرض ہے۔ کہ وہ اپنے ملازمین کو رشوت۔ غبن وغیرہ اخلاقی برائیوں سے بچانے کے لئے ہر ممکن طریقہ استعمال کرے۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انکے اندر قرآن مجید کی تعلیم کے ذریعہ خوف خدا پیدا کیا جائے۔ پھر نہ محکمہ رشوت ستانی کی ضرورت رہے گی اور نہ غبن کے واقعات ہوں گے (ایڈیٹر)

عظمتِ انسان

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستی دانا ہے، بینا ہے، توانا ہے!

از جناب مولانا عبدالرشید صاحب عباسی واہ کینٹ

"انسان نے وہ امانت اٹھالی جو زمین و آسمان نہ اٹھا سکے"۔ انسانی عظمت و بزرگی کی جو شان بلند ان الفاظ میں ملتی ہے۔ اس کی حقیقت سے انسان کماحقہٗ واقف نہیں۔

کائنات اور اس کے نعائیم انسان کی خدمت کے لئے ہیں۔ کیونکہ انسان ان سب سے اشرف و افضل ہے۔ مگر وائے ناکامی کہ انسان اگر ایک طرف خدا کا نائب غوث و قطب اور ولی پہلے تو دوسری طرف یہی انسان بتوں کو سجدہ کرنے، پتھروں کو پوجنے، درختوں کے آگے جھکنے، جنات اور ارواح خبیثہ کے نام کی دہائی پکارنے میں بھی پیش پیش نظر آتا ہے۔ آسمانی مخلوق کو اپنا مالک اور رب سمجھتا ہے، پھر یہ دعویٰ، دعویٰ نہیں رہتا کہ میں اشرف ہوں۔ انسان کا بے جان پتھروں، [illegible]وں، دریاؤں، چاند ستاروں کو اپنا کارساز سمجھنا کیا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ انسان اپنے رتبۂ عالی اور مقام بلند کی عظمت کو سمجھا ہی نہیں؟

محبوب خدا ﷺ نے وحی کی زبان سے جاہل عربوں کو یہ نکتہ بتایا کہ انسان تمام مخلوق سے اشرف ہے اور دنیا میں خدا کی نیابت و ماتحتی کا فرض انجام دینے کے لئے آیا ہے۔ قرآن کریم کی ابتدائی سورہ میں آدم کی خلافت کا واقعہ کوئی داستان نہیں بلکہ انسان کی حقیقی حیثیت کو نمایاں کرنے والی تعلیم کا پہلا دیباچہ ہے۔ فرشتوں کو سجدہ کا حکم گویا تمام عالم کو مسجود بنانا تھا۔

"اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ"

کی رُو سے انسان خدا کا نائب ہے کہ تمام مخلوق میں یہی ممتاز تھا۔ اور اسی لئے امانت کا بارِ گراں اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا۔ تمام مخلوق کے مقابلے میں اللہ نے انسان میں صلاحیتیں رکھی تھیں۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ وَحَمَلْنٰھُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰھُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا

"ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ہم نے خشکی اور تری میں ان کو سواری دی اور ستھری چیزوں کی ان کو روزی بخشی اور اپنی بہت سی پیدا کی ہوئی چیزوں پر ان کو فضیلت عطا کی۔"

انسان ہی وہ باکمال مخلوق ہے جو سب سے معقول قویٰ اور بہترین انداز کے ساتھ دنیا میں پیدا ہوئی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم

اس کی بزرگی و برتری کو اس قدر شرف بخشا کہ خدا کی صورت کا عکس قرار پایا۔

ارشادِ نبوی ﷺ "کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا"۔ اسی لئے آپ نے تعلیم دی کہ غلام کو سزا دو تو اس کے چہرہ پر نہ مارو کہ وہ صورتِ الٰہی کا عکس ہے۔" (بخاری)

اور غصہ میں یہ بھی نہ کہنا چاہیئے کہ خدا تیرے چہرہ کو اور تیرے جیسے چہرہ کو بگاڑ دے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے" (بخاری و مسلم)

ان احادیث سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ خدا انسان کی طرح کوئی شکل یا جسم رکھتا ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر خدا کی صفاتِ کاملہ کی ایک معمولی اور دھندلی سی جھلک پائی جاتی ہے مثلاً علم، قدرت، حیات، بصر، سمع، رحم اور سخا وغیرہ صفات کی ناقص و ناتمام قوت انسان کے جسدِ خاکی میں رکھی گئی ہے اور چونکہ انسانی اعضاء میں چہرہ کو اس کی شخصیت کا آئینہ دار بنایا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے اعضاء میں اسی کو فیض رحمانی کا مورد ظاہر کیا ہے (شرح بخاری)

بہرحال چہرہ کو خداوند عالم کی ذات گرامی سے خاص نسبت ہے، اور اعلیٰ امتیاز .... چنانچہ اس کے لئے یہی شایان شان ہے کہ خالق کائنات کے آگے سجدہ کرے، روئے زمین کی تمام چیزیں انسان کے لئے بنی ہیں۔ وہ روئے زمین کی چیزوں کے لئے نہیں بنا۔ "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً"

بتوں، درختوں اور ستاروں کے آگے جبیں رکھنے والے یہ ثبوت دیتے ہیں کہ یہ ان کے لئے نہیں بلکہ وہ ان کے لئے بنے ہیں۔ آفتاب و مہتاب کو انسان کی خاطر بنایا۔ اور یہ اپنی کج فکری سے خادم کو مخدوم بنا بیٹھے۔ وحی الٰہی نے فرمایا کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے واسطے اور انسان خدا کے لئے بنا ہے ہر ذرۂ کائنات اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ تو پھر انسان پر کیا مصیبت آپڑی ہے کہ وہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو۔ انسان نے جب بھی کسی چیز کو مرجع بنایا۔ اللہ نے اسکے ابطال کیلئے [illegible] جب آسمانی مخلوق کو اپنا خدا بنایا تو وحی محمدیؐ نے ان سے کہا۔

"خدا نے رات، دن اور چاند، سورج کو تمہارے لئے کام میں لگایا۔ اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں۔ (نحل)

اسی طرح حیوانوں سے مرعوب ہو کر ان کو قابلِ اطاعت سمجھا تو حکم ملا یہ بھی تمہارے لئے ہیں تم ان کے لئے نہیں۔

"وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ"

اور جانوروں کو اس نے پیدا کیا، تمہارے لئے جن میں اُون کی گرمی اور دوسرے فائدے ہیں (نحل)

اور یہ باعظمت خلیفہ جب آگ کے شعلوں سے ڈرا تو یوں فرما کر اس کے خوف کا ابطال کیا کہ

"اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْہُ تُوْقِدُوْنَ" (یٰسین)

"جس نے تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ پیدا کی پس اس وقت تم اس سے روشنی کرتے ہو"

سخن کوتاہ زمین سے آسمان تک جس قدر مخلوق ہے۔ وہ صرف انسان کی خاطر ہے۔ اللہ نے اسے ہر شئے پر افضلیت، اشرفیت عطا کی ہے۔ جناب رسالت پناہ ﷺ نے جس توحید کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے وہ یہی دو اصول ہیں:-

اوّل - یہ کہ انسان تمام مخلوق میں اشرف ہے اس لئے کسی مخلوق کے سامنے اس کا سر نہ جھکنا چاہیئے۔

دوم :- یہ کہ ہر طاقت و قوت اور تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک بزرگ و برتر ہستی کے لئے ہیں۔ جو ماورائے عرش سے زیر فرش تک ہر ذرہ پر حکمران ہے۔ انسان کو ہر چوکھٹ سے ہٹ کر اسی ایک کے در پر جبہ سائی کرنی چاہیئے۔ ہماری ساری عقیدت، محبت، ہمارا خوف ہماری امیدیں تمام دعائیں التجائیں بارگاہ رب العزت میں ہوں۔ تاکہ ہمیں اپنی عظمت کا صحیح احساس ہو۔"

ـــ٥ـــ

تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
نہ سیہ روز رہے پھر نہ سیہ کار رہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ یوم الجمعۃ ۱۲ ذوالقعدہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۲ جون ۱۹۵۶ء

شریعت کا اتباع انسان کا فطرتی تقاضا ہے

از جناب شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب خطیب جامع مسجد شیرانوالہ گیٹ - لاہور

برادران اسلام! جو انسان ہمیں نظر آتا ہے وہ ایک ہی چیز نہیں ہے بلکہ دو متضاد چیزوں سے مرکب ہے - ایک چیز تو ظاہر ہے - جو دیکھی جاتی ہے - اسے ہاتھ بھی لگایا جا سکتا ہے - وہ جسم ہے اور دوسری چیز اس کے اندر پوشیدہ ہے اس کا نام روح ہے -

قرآن مجید میں انسانی جسم کی بناوٹ کا ذکر

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۚ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۚ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۚ (سورۃ المؤمنون رکوع ۱ پ ۱۸)

ترجمہ: - اور البتہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا - پھر ہم نے اسے حفاظت کی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم نے نطفہ کا لوتھڑا بنایا پھر ہم نے لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنائی پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں پھر ہم نے ہڈیوں پر گوشت پہنایا - پھر اسے ایک نئی صورت میں بنا دیا - سو اللہ تعالےٰ بڑی برکت والا سب سے بہتر بنانے والا ہے -

انسانی روح کا ذکر

قرآن مجید میں انسانی روح کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے -

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۚ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ پ ۱۵)

(ترجمہ: - اور یہ لوگ تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں - کہہ دو - روح میرے رب کے حکم سے ہے - اور تمہیں جو علم دیا گیا ہے - وہ بہت ہی تھوڑا ہے -

حاصل

یہ نکلا - کہ جسم اس جہاں کی پیداوار ہے - اور روح عالم ملکوت سے آئی ہوئی ہے - اس بناء پر یہ ثابت ہوا کہ دونوں متضاد ہیں - یعنی دونوں کی خواہشات میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا - ایک اوپر کو کھینچے گی - تو دوسری نیچے کو - جسم یہ خواہش کرے گا کہ مجھے لذیذ سے لذیذ کھانے اور لذیذ سے لذیذ پھل کھلائے جائیں قیمتی لباس پہنایا جائے - رہنے کے لئے زیادہ سے زیادہ آرام دہ مکان بنا دیا جائے سواری قیمتی اور تیز رو ہونی چاہئے - جو منٹوں میں منزل مقصود تک پہنچا دے - تفریح کے لئے سرسبز و شاداب باغ ہو - وغیرہ وغیرہ -

بہت زیادہ روپیہ چاہئے

مذکورۃ الصدر جسمانی خواہشات کے پورا کرنے کے لئے بہت زیادہ روپیہ چاہئے - بہت زیادہ روپیہ کمانے کے لئے بہت زیادہ وقت صرف کرنا چاہئے - بلکہ اگر بہت زیادہ روپیہ حلال کی کمائی سے میسر نہ آ سکے - تو ناجائز ذرائع سے بھی حاصل کر لیا جائے - مثلاً تجارت پیشہ ہے تو گاہک کو فریب اور دھوکہ دے کر کمائے - جیسے تجارت پیشہ خوب سمجھتے ہیں - ملازمت پیشہ ہے تو تنخواہ مالک سے لے - اور رشوت متعلقہ انسانوں سے وصول کرے - غرضیکہ ناجائز ذرائع سے بھی روپیہ کمائے گا - تاکہ ہر طرح کی جسمانی راحتیں حاصل کرے -

روح کی خواہش

یہ ہے - کہ میں تو عالم ملکوت سے آئی ہوئی ہوں مجھے ان مادی اشیاء سے تو کوئی راحت حاصل نہیں ہوتی مجھے عالم ملکوت والی غذا چاہئے - عالم ملکوت کے رہنے والوں کی غذا فقط ذکر الٰہی ہوتا ہے - اب روح کی خواہش یہ ہے کہ مجھے اس وجود سے اذکار الٰہیہ کا کام لینا چاہئے - مثلاً سبحان اللہ - الحمد للہ - ولا الٰہ الا اللہ - واللہ اکبر - ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح - یا قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ -

سواری ایک اور سوار دو

سواری تو ایک ہے - جو خون - پوست - گوشت - اور ہڈیوں سے بنی ہوئی ہے - اور سوار دو ہیں - جسم اپنی خواہشات پوری کرنے کے لئے اسی وجود کو ہی ذریعہ بناتا ہے اور روح ذکر الٰہی کرنے کے لئے بھی اسی کو ذریعہ بنائے گا - مثلاً اسی جسم سے پانی کا لوٹا بھروائے گا - اور وضو کرائے گا - پھر اسی جسم کو مسجد میں لے کر اسی سے نماز پڑھائے گا - غرضیکہ دونوں میں رسہ کشی ہوگی - اس جھگڑے کے ختم کرنے کے لئے ایسے ثالث کی ضرورت ہے جو دونوں کا یکساں خیر خواہ ہو - وہ ثالث فقط

اللہ جل شانہٗ

ہی ہو سکتا ہے - کیونکہ وہ جسم اور روح دونوں کا خالق ہے - دونوں کے جذبات اور احساسات سے پورے طور پر آگاہ ہے - لہٰذا اللہ تعالےٰ نے یہ نظام الاوقات تجویز فرمایا ہے - کہ دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت ذکر الٰہی کرنے کے لئے مامور فرمایا ہے اور وہ پانچ وقت ظہر - عصر - مغرب - عشا اور فجر کی نماز کے اوقات ہیں - تاکہ ان وقتوں میں روح اس وجود کے ڈھانچے کو اپنے کام میں لائے - اس کے بعد باقی اوقات جسم کی ضروریات کے پورا کرنے میں صرف کرے - اللہ تعالےٰ کے اس فیصلہ کا نام شریعت ہے - اب جو شخص اس قانون الٰہی کی پابندی کرے گا - وہ اللہ تعالےٰ کا فرمانبردار اور متبع شریعت کہلائے گا - ورنہ اللہ تعالےٰ کا باغی اور مخالف شریعت سمجھا جائے گا - اتباع شریعت میں اس کی اپنی خوش قسمتی ہے - جب تک دنیا میں رہے گا جسمانی ضروریات کے پورا ہونے کے باعث خوش رہے گا - اور مرنے کے بعد جب عالم ملکوت میں جائے گا - تو وہاں بھی خوش حال ہوگا - کیونکہ اس جہان میں جس ذکر الٰہی کی ضرورت تھی وہ بھی ساتھ لے کر گیا ہے -

اللہ تعالےٰ کا شکریہ

ایسے لوگ جب اتباع شریعت کی برکت سے بہشت

میں پہنچیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے۔

(وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۚ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝)

(سورہ الاعراف رکوع ۵ پ ۸)

(ترجمہ اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا۔ اور ہم راہ نہ پاتے۔ اگر اللہ ہماری راہنمائی نہ فرماتا۔ بے شک ہمارے رب کے رسول سچی بات لائے تھے۔ اور آواز آئے گی کہ یہ جنت ہے۔ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث ہو گئے ہو۔

اپنے اوپر خود ظلم کرنے والے

شہادت ۱

(اَلَمْ یَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ۬ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِیْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْیَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝) سورۃ التوبہ رکوع ۹ پ ۱۰

(ترجمہ۔ کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی۔ جو ان سے پہلے تھے۔ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور مدین والوں کی اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئیں تھیں۔ ان کے پاس ان کے رسول صاف احکام لے کر پہنچے۔ سو اللہ ایسا نہ تھا۔ کہ ان پر ظلم کرتا۔ لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔)

شہادت نمبر ۲

(اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚۖ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۚ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ۝)

(سورۃ الزخرف رکوع ۷ پارہ ۲۵)

(ترجمہ: بے شک گنہگار عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا۔ اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے۔ اور ہم نے تو ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ خود ہی ظالم تھے)

حاصل

ان مجرموں کا اپنے اوپر ظلم کرنے کا الزام اسی لئے دیا جا رہا ہے۔ کہ ان کی فطرت کا تقاضا پورا کرنے کے لئے جو پروگرام اللہ تعالےٰ نے تجویز کر کے بذریعہ پیغمبر انہیں بتلایا تھا۔ انہوں نے اس پر دانستہ عمل نہیں کیا۔ فقط جسمانی خواہشات کے پورا کرنے میں دنیا کی ساری زندگی برباد کر دی۔ اور روح کا تقاضا پورا کرنے کے لئے جو ذکر الٰہی کا پروگرام تھا اس کو دانستہ نظر انداز کیا۔ یہی ان کا ظلم ہے۔ اسی کی سزا پانے کے لئے دوزخ میں داخل کئے گئے ہیں۔ انہیں پر یہ ضرب المثل صادق آتی ہے۔ "خود کردہ را چہ علاج"

خودکشی کے مجرم

ارحم الراحمین نے اپنی مہربانی اور شفقت سے جسمانی اور روحانی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے جو پروگرام آسمان سے نازل فرمایا تھا اس سے روگردانی کر کے انہوں نے جان بوجھ کر محض ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنے آپ کو دوزخ میں جا ڈالا جس طرح پانی موجود ہوتے ہوئے جو شخص نہ پیئے۔ اور پیاسا مر جائے وہ خودکشی کا مجرم ہے۔ اسی طرح ان کا واقعہ ہے۔ کہ بہشت میں جانے کا پروگرام موجود ہے مگر یہ اس کو ضد سے منظور نہیں کرتے اور دوزخ میں جاتے ہیں۔

قیامت کے دن اپنے جرم کا اقرار

(وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ۝

(سورۃ المؤمنون رکوع ۶ پارہ ۱۸)

(ترجمہ:- اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا۔ تو وہی یہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کیا۔ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہونگے ان کے مونہوں کو آگ جھلس دے گی اور وہ اس میں بدشکل والے ہوں گے کیا تمہیں ہماری آیتیں نہیں سنائی جاتی تھیں۔ پھر تم انہیں جھٹلاتے تھے۔ کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی تھی۔ اور ہم لوگ گمراہ تھے اے رب ہمارے ہمیں اس سے نکال دے۔ اگر پھر کریں تو بے شک ظالم ہونگے۔ فرمائے گا۔ اس میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو۔ اور مجھ سے نہ بولو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

دعاء

اللہ تعالےٰ ہم سب بھائی بہنوں کو قرآن مجید پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ——— تاکہ اس پر عمل کرنے کی برکت سے دنیا کی زندگی خوش گوار گذر جائے اور آخرت میں بھی اللہ تعالےٰ راضی ہو کر بہشت کا ٹکٹ عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین!

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

مجلسِ ذکر

مرتبہ :- چودھری عبدالرحمن خاں صاحب

جمعرات مؤرخہ ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ موافق ۲۱ جون ۱۹۵۶ء

ذکر کے بعد مخدومنا و مرشدنا حضرت مولٰینا احمد علی صاحب مدظلہ العالی کے ارشادات گرامی ذیل میں ہدیۂ قارئین کئے جا رہے ہیں :-

محبّت کا لازمی نتیجہ اتباع ہے-

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ؁

الحمد للّٰہ وکفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی - اما بعد

آج میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ محبت کا لازمی نتیجہ ہے اتباع - انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کا بلا جبر و اکراہ اتباع کرتا ہے جس قدر محبت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اتباع زیادہ ہوتا ہے - خوشی سے اتّباع محبت کا نتیجہ ہوتا ہے - محبوب کی ہر بات کا احترام کیا جاتا ہے - اس کی دلپسند چیزوں کو عمل میں لایا جاتا ہے - اس کے احکام کی تعمیل ضروری سمجھی جاتی ہے - آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایؤمن احدکم حتّٰی اکون احبَّ الیہ من والدہ وولدہ والنّاس اجمعین (متفق علیہ)

(ترجمہ : حضرت انس رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے - کہا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا - تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا - جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں)

احب اسم تفضیل مذکر کا صیغہ ہے - اس سے بڑھ کر محبّت کا کوئی درجہ نہیں - آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے اس قسم کی محبّت ہونی چاہئے -

قرآن مجید میں اللّٰہ تعالےٰ فرماتے ہیں :-

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللّٰهِ اَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ط وَالَّذِينَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ط (سورہ بقرہ رکوع ۲۰ پ ۲)

(ترجمہ :- اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللّٰہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں - جن سے ایسی محبّت رکھتے ہیں - جیسی کہ اللّٰہ سے رکھنی چاہئے اور ایمان والوں کو تو اللّٰہ ہی سے زیادہ محبّت ہوتی ہے)

یہاں بھی اللّٰہ تعالےٰ نے اشدّ اسم تفضیل مذکر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے مطلب ہے کہ ایمانداروں کو اللّٰہ تعالیٰ سے جو محبت ہے اسکے مقابلہ میں باقی کسی کی محبّت نہیں ٹھہر سکتی - محبت میں اشد ہونے کا ثبوت اتباع رسول ؐ سے ملے گا - اللّٰہ تعالےٰ کی ذات غیر مرئی ہے - ہم نے اس کو نہیں دیکھا - عام طور پر انسان غیر مرئی چیز سے براہ راست محبّت نہیں کر سکتا - اس سے محبّت کے لئے مرئی نمونہ سامنے ہونا چاہئے حضور ؐ اس قسم کا نمونہ ہیں - اس لئے فرمایا :-

قُلْ اِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ الآیۃ (سورۃ آل عمران رکوع ۴ پ ۳)

(ترجمہ :- کہدیجئے اگر تم اللّٰہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو - تاکہ تم سے اللّٰہ محبّت کرے)

ہم حضور کا اتباع کریں گے تو اللّٰہ تعالیٰ ہم سے محبّت کرنے لگیں گے - اتّباع محبّت سے ہوگا - حضور ؐ کی محبّت میں فنا ہونے سے اللّٰہ کی محبّت میں فنا ہونے کا درجہ حاصل ہوگا -

اصل میں ہم محبّت کا تعلق اللّٰہ تعالےٰ سے پیدا کرنا چاہتے ہیں حضور ؐ کے اتباع میں بھی یہی جذبہ ہوگا کہ اللّٰہ تعالےٰ ہم سے راضی ہو جائیں -

محب اپنے محبوب کی ہر ادا پر فدا ہوتا ہے اور اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے مثلاً ماں کو اپنے بچّے سے محبّت ہوتی ہے - اس محبت کی وجہ سے اس کے بس میں ہو تو وہ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے - جس طرح ایک جابر حاکم ایک بے بس محکوم سے اپنے ہر حکم کی تعمیل کرواتا ہے - اسی طرح بچّہ ماں سے ہر بات منوا لیتا ہے اللّٰہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو حضور ؐ سے اس قسم کی محبّت دل میں رکھنے کی توفیق عطا فرمائے - حضور ؐ سے ہم اس لئے محبت کریں گے کہ وہ رسول اللّٰہ ہیں -

میں ہمیشہ عرض کیا کرتا ہوں کہ ع

گفتن و کردن فرقے دارد

یہ قال حال نہیں بنتا - جب تک کامل کی صحبت نصیب نہ ہو - کامل سے فیض حاصل کرنے کے لئے عقیدت ادب اور اطاعت کی ضرورت ہے - حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللّٰہ علیہ کاملین میں سے تھے - ایک دفعہ لنگر کا مال کشتی میں آ رہا تھا تو آپ ؒ کو کسی خادم نے آکر اطلاع دی کہ حضرت کشتی بھنور میں پھنس گئی ہے - اور قریب الغرق ہے -

فرمایا الحمد للّٰہ! تھوڑی دیر بعد پھر کسی خادم نے عرض کی کہ کشتی بھنور سے نکلکر صحیح سلامت کنارے پر پہنچ گئی - آپ نے پھر فرمایا - الحمد للّٰہ!

کسی بے تکلف خادم نے عرض کیا کہ حضرت! پہلی دفعہ تو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون فرمانا چاہئے تھا الحمد للّٰہ فرمانا سمجھ میں نہیں آیا -

آپ ؒ نے فرمایا کہ نہ میں نے پہلی دفعہ بھنور میں کشتی کے پھنس جانے پر الحمد للّٰہ کہا اور نہ دوسری دفعہ اس کے صحیح سلامت کنارے پر پہنچ جانے پر کہا - میں نے دونوں صورتوں میں دیکھا کہ میرے دل کا جو تعلق اللّٰہ کی ذات سے تھا اس میں خلل نہیں آیا - میں نے اس نعمت پر دونوں دفعہ الحمد للّٰہ کہا - کہ اللّٰہ تعالےٰ نے میرے دل کو ساز و سامان سے ہٹا کر اپنی محبت میں لگا رکھا ہے -

ماسوا اللّٰہ سے کٹ جانے کا نمونہ - شیخ کامل کا عکس طالب صادق پر پڑتا ہے -

حضرت زکریا ملتانی ؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادہ نے لنگر کا سارا مال اٹھوا دیا کسی خادم نے جب دریافت کیا تو فرمایا کہ والد رحمۃ اللّٰہ علیہ تو کامل تھے - ان کو اپنے نفس پر اعتماد تھا کہ وہ ساز و سامان میں نہیں پھنسے گا - مجھے اپنے نفس پر اعتماد نہیں - اس لئے اٹھوا دیا ہے - یہ کامل کا عکس ہے -

گھڑا جب آوے میں ڈالا جاتا ہے - تو پکتا ہے - اسی طرح طالب صادق صحبت میں پکتا ہے لیکن کامل لاکھوں میں کوئی ہوتا ہے - وہ نایاب نہیں - کمیاب ضرور ہیں - وہ اللّٰہ تعالےٰ نے ہیچ

(باقی صفحہ پر)

بیٹی کو ماں کی نصیحت

(از خامہ حضرت مولانا حافظ محمد اعزاز علی صاحب ، رحمۃ اللہ علیہ مدرس دارالعلوم دیوبند)

فی زمانا حریت اور آزادی کا جو طوفان بے تمیزی اٹھا ہے اور جس طرح مساوات اور مکافو کی آوازیں شور محشر کی یاد کو تازہ کرتی رہتی ہیں۔ اس سے کون ناواقف ہے۔ بچہ، جوان، ادھیڑ، بوڑھا، عورت، مرد، غرض کہ عالم انسانی کا ہر ہر فرد نسا وی کا مدعی اور دعویدار ہے۔ اس فتنہ انگیز حریت نے جو کچھ برے نتائج پیدا کئے ہیں دقائق شناس نظریں اگرچہ ان کو ابھی سے بلائے بے درماں اور مرض لاعلاج سے تعبیر کر چکی ہیں، مگر حقیقت تک نہ پہنچنے والی عقلوں نے ابھی تک ان قبائح کا یا تو ادراک ہی نہیں کیا اور اگر کسی درجہ میں کیا ہے تو اس کو قابل توجہ اور لائق التفات نہیں سمجھا جاتا۔ ہم نہ حریت کے مخالف نہ استبداد کے مؤید۔ اور اگرچہ ہمارے عنوان سے خارج ہے تاہم ہم اس وقت اس قدر ضرور کہیں گے کہ قانون قدرت اور فطرت الٰہیہ نے ہر چیز کو اپنے مرتبہ پہ رکھا ہے۔ جب کسی چیز کو اس کے مرتبہ سے بڑھا دیا جاتا ہے یا وہ خود بخود اپنے مرتبہ سے متجاوز ہو جاتی ہے تو بری چیزیں تو بجائے خود اچھی چیزیں بھی بری ہو جاتی ہیں۔ یہی حال فی زمانا حریت اور مساوات کا ہے۔ کہ نہ اس کا کوئی منتہا ہے اور نہ حد و نہایت۔ اور اب تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ عورتیں بھی اس فتنہ سے متاثر ہو گئیں۔ اور اپنی حد سے متجاوز ہو کر مردوں سے مساوات کا مطالبہ کرنے لگیں۔ کسی حد تک یہ بھی قابل تاویل تھا۔ لیکن نوبت باینجا رسید کہ اس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ مسائل شرعیہ اور نصوص قطعیہ میں بھی تصرف ہونا چاہئے۔ عورتوں کی رائے ہے کہ مردوں کے اس استحقاق کو کہ وہ ایک وقت میں چار بیبیاں رکھ سکتے ہیں باطل کر دیا جائے۔ حالانکہ اس میں کسی قسم کا تامل نہیں کہ یہ استحقاق قطعی طور سے شرعاً مردوں کو مل چکا ہے۔ یہ امر اس وقت خارج از بحث ہے کہ ان کو تعدد ازواج کی صورت میں اپنی بیبیوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ لیکن چند بیبیوں کا ایک وقت میں ایک مرد کے لئے ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ امر ہے اور صرف دلائل نقلیہ قطعیہ ہی اس استحقاق کے مثبت نہیں بلکہ اکابر محققین رحمہم اللہ نے اس کو براہین عقلیہ سے بھی ثابت فرما کر طے شدہ کر دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس پر فتن زمانہ میں مناسب معلوم ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی ایک عربی عورت کی اس وصیت کو شائع کیا جائے جو کہ اس نے ایسے وقت میں کی تھی کہ جب اس کی بیٹی اپنے گھر سے رخصت ہو کر اپنے خاوند کے گھر میں پہلی مرتبہ ہی جا رہی تھی۔ یہ وقت ہمارے ہاں عموماً حزن و غم کا ہوتا ہے۔ بیٹی کو اپنے قدیمی گھر، ماں باپ، بہن بھائی، اعزہ و اقارب کی یاد، اور اس کے اعزہ کو خود اس کی مفارقت کا خیال آ آ کر آٹھ آٹھ آنسو رلاتا اور کسی مفید کام کرنے سے روکتا ہے۔ یہ بھی عرب کی خداداد عقل کا ایک بین نمونہ ہے کہ ایسے وقت میں بھی وہ جانتے تھے کہ ہم کو یہ وقت کس کام میں صرف کرنا چاہیئے۔

اس وصیت میں ماں نے اپنے لخت جگر کو مختصر مگر جامع الفاظ میں ان تمام باتوں کی نصیحت کی ہے جن پر عمل کر کے وہ اپنے آنے والے زمانہ کو عیش اور مسرت کے ساتھ بسر کر سکتی ہے۔ اور حقیقت شناس نظریں تھوڑی سی غور کرنے کے بعد معلوم کر لیں گی کہ زمانہ جاہلیت کی اس عورت نے کوئی ضروری بات جو بیٹی کے لئے اس دار فانی کو چھوڑنے تک مفید ہو ترک نہیں کی وہ وصیت یہ ہے۔

میری پیاری بیٹی! اگر علم و ادب کی زیادتی، اور عقل کے کمال کی وجہ سے کسی کو نصیحت کرنا نامناسب ہوتا تو چونکہ تو بھی ماشاء اللہ بہت عاقلہ اور فہیمہ ہے، میں بھی تجھ کو نصیحت نہ کرتی۔ لیکن جن کو نصیحت کی جاتی ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں، غافل یا عاقل۔ اگر وہ غافل ہے تب تو اس کو نصیحت آئندہ نتائج کو یاد دلاتی ہے۔ اور اگر وہ عاقل ہے تو وہ نصیحت اس کے لئے ایک خیر خواہ اور معین کا کام دیتی ہے۔

بیٹی! اگر والدین کی دولت یا اس وجہ سے کہ ان کو اپنی بیٹیوں سے زیادہ الفت اور ان کو ان کی زیادہ ضرورت ہے لڑکیاں خاوندوں سے مستغنی ہو تیں اور اپنے ماں باپ کے یہاں رکھی جا سکتیں تو تو سب سے زیادہ اس کی حقدار تھی اس لئے کہ تیرے ماں باپ بڑے دولتمند بھی ہیں اور تجھ سے محبت بھی زیادہ کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور مرد عورتوں کے لئے۔

بیٹی! جس گھر میں تو نے پرورش پائی تھی اور جس گھرانہ میں تو نے آج تک آرام اٹھایا تھا آج تو اس کو چھوڑ کر ایک ایسے کنبہ میں جاتی ہے کہ جس کو تو پہچانتی نہیں۔ اور اب تجھ کو ایک ایسے ہمنشین کے ساتھ عمر گذارنی ہو گی جس سے تو اس وقت تک مانوس نہیں ہوئی۔ نہ اس کی صورت دیکھی۔

بیٹی! وہ ہمنشین تیرا مالک اور محافظ ہو گا۔ اس لئے تجھ کو لازم ہے کہ تو اس کی لونڈی بن جائے۔ تاکہ وہ تیرا غلام اور مطیع ہو جائے۔

بیٹی! میری دس باتیں یاد رکھنا وہ تیرے لئے بہترین جہیز ہوں گی۔ خاوند کے ساتھ قناعت سے بسر کرنا۔ خاوند کی اطاعت اور تابعداری کر کے رہنا۔ یہ خیال رکھنا کہ اس کی نظریں کہاں کہاں پڑتی ہیں تاکہ وہ تیری کوئی بری بات نہ دیکھ سکے۔ اس کا لحاظ رکھنا کہ اس کی ناک میں کہاں کہاں کی خوشبو یا بدبو جاتی ہے۔ تاکہ وہ تجھ میں سے کبھی بدبو نہ سونگھ سکے۔ حسن کی زینت زیادہ تر سرمہ میں ہے۔ پاکی بے نظیر خوشبو ہے۔ اس کا خیال کہ خاوند کھانا کس وقت کھاتا ہے۔ جس وقت وہ سوتا ہو اس وقت گھر میں شور و شر نہ ہونے دینا۔ اس لئے کہ بھوک کی حرارت خواہ مخواہ آدمی کو بھی بھڑکا دیتی ہے۔ اور نیند کا خراب ہونا ناراضی کا سبب ہو جاتا ہے۔ خاوند کے گھر اور مال کو محفوظ رکھنا۔ خاوند کی جان۔ اس کے خدام اس کے لواحق و توابع کا پورا خیال رکھنا اس واسطے کہ مال کی حفاظت سے خاوند راضی رہے گا۔ اور اس کے خدام وغیرہ کی مراعات سے وہ سب دراندازی کر کے خاوند کے دل کو بی بی سے نہ پھیر سکیں گے۔ خاوند کے کسی بھید کو کسی پر ظاہر نہ کرنا اس واسطے کہ اگر تو نے اس کے کسی بھید کو کسی پر ظاہر کر دیا تو یاد رکھ کہ وہ بھی تیرے ساتھ یقیناً بے وفائی سے پیش آوے گا۔ خاوند کی کبھی نافرمانی نہ کرنا۔ اس لئے کہ اگر تو نے اس کی نافرمانی کی تو یقیناً تو نے اس کے دل کو اپنی طرف سے پھیر دیا۔ اور یہ بھی خیال رکھنا کہ اگر وہ کسی وقت تیرے پاس غمگین بیٹھا ہو تو تو اس کے ساتھ خنداں و شاداں نہ رہنا تاکہ وہ یہ خیال نہ کرے کہ اس کو میرے حزن و الم کی کچھ پروا نہیں۔ اور اگر وہ کسی وقت خوش ہو کر تیرے پاس آوے تو تو اس کے پاس غمگین ہو کر نہ بیٹھنا۔ کہ اس کو اپنی خوشی کے خاک میں مل جانے سے رنج ہو۔

بیٹی! تو سب سے زیادہ اپنے خاوند کی اطاعت و مراعات کرنا اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ سب سے زیادہ خیال تیرا رکھے گا۔ اور جس قدر تو اس کی موافقت کرتی رہے گی اسی قدر تو اس کے ساتھ عیش و عشرت سے بسر کر سکے گی۔ اور خوب اچھی طرح سمجھ لے کہ تو آج کے بعد سے اپنی خواہشات کو اس وقت تک ہرگز ہرگز حاصل نہیں کر سکتی ہے۔ جس وقت تک کہ تو اپنی رضا پر خاوند کی رضا کو ترجیح نہ دینے لگے۔ اور اس کی خواہشوں کو اپنی خواہشوں پر مقدم نہ کرنے لگے۔ جو کچھ مجھ کو کہنا تھا میں کہہ چکی۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو خیریت کے ساتھ رکھے فقط

بقیہ مجلس ذکر (صفحہ ۲ سے آگے)

کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ تصادم کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کونسی چیز محبوب ہے اور کونسی محبوب نہیں۔ محبوب کو محبوب بحال رکھتا ہے اور غیر محبوب کو ہٹا دیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت رکھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ان کے مقابلہ میں کسی کی محبت نہ ٹھہر سکے آمین یا الٰہ العالمین۔

مرحبا بالقرآن العظیم

(از جناب مولانا عبدالحمید صاحب سروش لاہور)

وہ آ پہنچا نظامِ جاوداں کی زندگی لے کر　　وہ آ پہنچا مئے عرفاں کا جامِ سرخوشی لے کر
وہ آ پہنچا گلستانِ ہدیٰ کی تازگی لے کر　　وہ آ پہنچا مہِ اسلام کی تابندگی لے کر
وہ آ پہنچا نجومِ منتشر کو نظم سکھلانے
وہ آ پہنچا ہے بحرِ آسماں کو راہ پر لانے

وہ آ پہنچا سلامِ صاحبِ عرشِ عُلا دیکھو　　وہ آ پہنچا پیامِ خالقِ ارض و سما دیکھو
وہ آ پہنچا کلامِ مالکِ روزِ جزا دیکھو　　وہ آ پہنچا نظامِ سرمدی کا راہنما دیکھو
وہ دیکھو وحیِ متلوّ یعنی قرآنِ حکیم آیا
بڑھو روح الامیں وہ لے کے فرقانِ عظیم آیا

رکھی بنیاد جس نے آ کے عالم کی اخوت کی　　امیر و عبد و خادم سب کو آ کر جس نے عزت دی
تمیز اس نے مٹا دی آ کے راعی اور رعیت کی　　امیرِ قوم و شاہِ وقت کو تعلیمِ خدمت دی
وساتیرِ زمیں منہ دیکھتے ہی رہ گئے جس سے
قوانینِ جہاں آئینۂ حیرت بنے جس سے

وہ آ پہنچا بتوں کی بادشاہی چھیننے والا　　خداوندانِ باطل کی خدائی چھیننے والا
وہ آ پہنچا ادائے خود نمائی چھیننے والا　　وہ آ پہنچا قبائے خود ستائی چھیننے والا
وہ آ پہنچا اصولِ آدمیت عام کرنے کو
وہ آ پہنچا حصولِ آدمیت عام کرنے کو

وہ آ پہنچا خرد کو خودسری سے باز رکھنے کو　　وہ آ پہنچا جنوں کو گمرہی سے باز رکھنے کو
وہ آ پہنچا نظر کو بے رہی سے باز رکھنے کو　　وہ آ پہنچا زباں کو کجروی سے باز رکھنے کو
دلوں کو فکرِ حق سے جس نے نورانی بنا ڈالا
سروں کو ذکرِ حق سے جس نے عرفانی بنا ڈالا

وہ آ پہنچا دلوں سے جس نے رشتہ غیر کا توڑا　　وہ آ پہنچا کہ جس نے عبد کو معبود سے جوڑا
وہ آ پہنچا کہ رخ بندہ کا جس نے کفر سے موڑا　　نہ جس نے قلب میں کوئی بھی نقشِ ماسوا چھوڑا
وہ دستورِ فرید آیا وہ منشورِ وحید آیا
وہ قرآنِ مجید آیا وہ فرقانِ حمید آیا

سکھائی جس نے آ کر بے نواؤں کو نوا سنجی　　بڑھائی جس نے آ کر بے کسوں کی شانِ خودداری
بتائی جس نے آ کر بے خودوں کو رمزِ ہوشیاری　　گڈریوں کو سکھایا جس نے آئینِ جہاں داری
وہ جس کا آسمانِ علم و حکمت پر ہے سر تاباں
وہ نکلا آفتابِ عالمِ رشد و ہدیٰ قرآں

مگر اس قوم نے کیا سوچ رکھا ہے خدا جانے؟　　سمائی اس کے جی میں آج کل کیا ہے خدا جانے؟
قدم کیوں راہِ حق سے اس کا بھٹکا ہے خدا جانے؟　　یہ دینِ مصطفٰے کی نام لیوا ہے خدا جانے؟
رسول اللہ کی چشمِ غضب سے کیوں نہیں ڈرتی؟
یہ القرآن مھجوراً نگر میں کیوں نہیں رکھتی

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

از جناب میاں عبدالرحمٰن صاحب لودھیانوی شیخوپورہ

عزیزانِ اسلام۔ سب سے پہلی اور جامع دُعا جو قرآن نے آپ کو سکھائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ خدا سے سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق مانگیں یہی قرآن جو آپ پڑھ رہے ہیں۔ سیدھا راستہ ہے یہ قرآن زندگی بسر کرنے کے جو اصول آپ کو بتاتا ہے۔ انہی اصولوں کا نام صراطِ مستقیم ہے۔ قرآن پاک آپ سے یہ کہتا ہے کہ جس طرح کوئی مسافر سیدھی اور صاف سڑک پر چل کر آسانی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح آپ قرآن کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں گے تو آپ بڑی آسانی سے اور بہت جلد اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے اور آپ کو دنیا و آخرت کی عزت حاصل ہو جائے گی۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ

(پ ۱۴ ع ۷)

اور اللہ تک پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح زمینی راستے طے کر کے منزلِ مقصود تک پہنچتے ہو ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ جس کی سمجھ سیدھی ہوگی۔ وہ آسمان و زمین، حیوانات اور انسان کی پیدائش کے دلائل و ابصار میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت، عظمت اور جبروت پر ایمان لائیگا اور توحید و تقویٰ کی سیدھی راہ چل کر بے کھٹکے خدا تک پہنچ جائے گا۔ لیکن جس کی عقل سیدھی نہیں اُسے سیدھی سڑک پر چلنے کی توفیق کہاں ہو سکتی ہے وہ ہمیشہ اہوا اور اوہام کی پیچدار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹکتا رہے گا۔ خدا اس بات سے کچھ عاجز نہ تھا کہ ساری دنیا کو ایک ہی راہ پر لگا دیتا۔ لیکن اس کی حکمت نے نہ چاہا کہ سب کو ایک ہی ڈھنگ اختیار کرنے پر مجبور کر دے۔

صراطِ مستقیم:۔ راہ حب رضائے خدا است کس ندیدم کہ گم شد از راہ راست

صراطِ مستقیم سے مراد وہ قول و فعل ہے جو زیادتی، کمی، افراط و تفریط کی طرف مائل نہ ہو ٹھیک وسط میں ہو۔ قوتِ شہوانیہ کی ضروریات میں بھی اعتدال ہو۔ قوتِ غضبیہ کے مقتضیات کے پورا کرنے میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے۔ اسی طرح قوتِ عقلیہ میں بھی میانہ روی اختیار کی جائے جب مذکورہ تینوں قوتوں میں اعتدال پیدا ہو جائے گا تو سیدھا راستہ مل جائے گا۔ اور یہی راہ اسلام ہے

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ پ ۴ ع ۱

(ترجمہ) اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو۔ تو اس کو سیدھے راستہ کی ہدایت ہو گئی۔

وہ قوم جس کے درمیان خدا کا عظیم الشان پیغمبر جلوہ افروز ہو، جو شب و روز اللہ کا رُوح پرور کلام اور اس کی تازہ بتازہ آیات پڑھ کر سناتا رہتا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ جس کسی نے ہر طرف سے قطع نظر کر کے ایک خدا کو مضبوط پکڑ لیا۔ اور اسی پر دل سے اعتماد و توکل کیا۔ اسے کوئی طاقت کامیابی کے سیدھے راستہ سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹا سکتی۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(پ ۲۲ ع ۱۸)

(اے رسول! بے شک آپ بھیجے ہوؤں میں سے سیدھی راہ پر ہیں)

قرآن کریم اپنی اعجازی شان، پرحکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے اس بات کا بڑا زبردست شاہد ہے۔ کہ جو نبی اُمی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بے شک و شبہ سیدھی راہ پر ہے اس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزلِ مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔

لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

(پ ۲۳ ع ۳)

(ترجمہ۔ نہ پوجو شیطان کو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرو۔ یہ سیدھی راہ ہے۔

اے بنی آدم تمہیں انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اسی قیامت کے دن کیلئے بار بار سمجھایا گیا تھا کہ شیطان لعین کی پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے۔ وہ جہنم میں پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے جس پر چلے آؤ اور اکیلے ایک خدا کی پرستش کرو۔

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

(پ ۷ ع ۱۶)

اور ہدایت کی ہم نے بعضوں کو اُن کے باپ دادوں میں سے اور ان کی اولاد میں سے اور بھائیوں میں سے اور اُن کو ہم نے پسند کیا اور سیدھی راہ چلایا۔

خالص توحید اور معرفت و اطاعت خداوندی کا یہی راستہ ہے۔ جس پر حق تعالےٰ اپنے فضل و توفیق سے مقبول بندوں کو چلاتا ہے پھر اس کے صلہ میں حسب استعداد درجات بلند کرتا ہے۔ شرک انسان کے تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اوروں کی تو حقیقت کیا ہے۔ اگر بفرض محال انبیاء و مقربین سے معاذ اللہ ایسی حرکت سرزد ہو تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (پ ۱۸ ع ۴)

اور بے شک آپ بلاتے ہیں اُن کو سیدھی راہ پر۔

اے محمد! آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے۔ جو سلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہے۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں اُن سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے۔ جس کو ہر سیدھی عقل والا آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ کوئی اُونچ نیچ نہیں۔ ٹیڑھا ترچھا نہیں۔

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ پ ۱۶ ع ۵

(ترجمہ) اور کہا عیسیٰ نے۔ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ سو اس کی بندگی کرو۔ یہ ہے سیدھی راہ۔

بعض مفسرین نے بیان کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کتاب میں مریم و مسیح کا حال سنا کر جو مذکور ہو چکا کہدو کہ میرا اور تمہارا سب کا رب اللہ ہے۔ صرف اسی کی بندگی کرو۔ بیٹے پوتے مت بناؤ۔ سیدھی راہ توحید خالص کی ہے۔ جس میں کچھ اونچ نیچ نہیں سب انبیاء اسی کی طرف ہدایت کرتے آئے لیکن لوگوں نے بہت سے فرقے بنا لئے اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں انہیں قیامت کے بڑے ہولناک دن کی تباہی سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ جو یقیناً پیش آنے والی ہے۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ (پ ۱۶ ع ۶)

(ترجمہ) اے میرے باپ مجھ کو ایک چیز کی خبر آئی ہے جو تجھ کو نہیں آئی۔ سو میری راہ چل۔ دکھلا دوں تجھ کو راہ سیدھی

ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے باپ! اللہ تعالےٰ نے مجھ کو توحید و معاد وغیرہ کا صحیح علم دیا اور حقائقِ شریعت سے

آگاہ کیا ہے - اگر تم میری پیروی کرو گے تو سیدھی راہ پر لے چلوں گا جو خدا تک پہنچانے والی ہے - اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے اور ترچھے ہیں - جن پر چل کر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا -

قُلْ اِنَّنِیْ ھَدٰىنِیْ رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ج دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ج وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

(پ ۸ ع ۷)

(ترجمہ) اے میرے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھ کو سیدھی راہ سمجھائی ہے جو کہ ملت ابراہیم کا صحیح دین ہے - اور وہ ایک ہی طرف کا تھا - اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا -

تم دین میں جتنی راہیں چاہو نکالو - اور جس قدر معبود چاہو ٹھہرا لو - مجھ کو تو میرا پروردگار سیدھی راہ بتلا چکا اور وہی خالص توحید اور کامل تفویض و توکل کا راستہ ہے - جس پر موحد اعظم ابو الانبیاء ابراہیم خلیل اللہ بڑے زور شور سے چلے جن کا نام آج بھی تمام عرب اور کل آسمانی ادیان میں نہایت عظمت و احترام سے لیتے ہیں -

قُلْ تَعَالَوْا ...... وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (پ ۸ ع ۶)

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے کہ تم آؤ - میں سنا دوں جو تمہارے رب نے تمہارے اوپر حرام کیا ہے -

(۱) یہ کہ شریک نہ ٹھیراؤ اس کے ساتھ کسی کو
(۲) اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو -
(۳) اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مارو - ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں -
(۴) بے حیائی کے نزدیک نہ جاؤ جو ظاہر ہو اس میں سے یا پوشیدہ -
(۵) اور اس جان کو نہ مار ڈالو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر -
(۶) اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ -
(۷) اور ماپ تول کو پورا کرو -
(۸) اور ہمیشہ حق بات کہو -
(۹) اللہ کا عہد پورا کرو -

بے شک یہ میری سیدھی راہ ہے سو اس پر چلو اور راستوں پر مت چلو - وہ تم کو جدا کر دیں گے -

مذکورہ بالا احکام کی پابندی اور خدا کے عہد کو اعتقاداً و عملاً پورا کرنا ہی صراط مستقیم ہے - جس کی طلب سورۂ فاتحہ میں تلقین کی گئی تھی - یہ راہ تم کو دکھا دی گئی اب چلنا تمہارا کام ہے جو کوئی اس کے سوا دوسرے راستے پر چلا - وہ خدا کے راستہ سے بھٹکا -

دین الٰہی کا راستہ ایک ہے جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال کر علیحدہ علیحدہ راہیں نکلتے اور فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہودی ہوں یا نصاریٰ یا وہ مدعیان اسلام جو مستقبل میں عقائد دینیہ کی چادر کو پھاڑ پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے اُن لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ اور سروکار نہیں - آپ ان سے بیزاری اور براءت کا اظہار کر کے خدا کے اسی ایک صراطِ مستقیم پر جمے رہئے اور ان کا انجام اللہ کے حوالے کیجئے - وہ ان کو دنیا یا آخرت میں جتلا دیگا - جو کچھ دین میں گڑبڑی کرتے تھے -

لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ ط اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (پ ۱۷ ع ۱۶)

ترجمہ:- ہر امت کے لئے ہم نے ایک بندگی کی راہ مقرر کر دی ہے وہ اسی طرح بندگی کرتے ہیں - سو اُن کو چاہئے کہ وہ تجھ سے اس کام میں جھگڑا نہ کریں اور تو بلائے جا اپنے رب کی طرف - بیشک تو سیدھی راہ پر سوجھ والا ہے -"

تشریح:- تمام انبیاء اُصول دین میں متفق رہے ہیں البتہ ہر اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں جن کے موافق وہ اعتبار خدا کی بندگی بجا لاتی رہیں - اس اُمتِ محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی - لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا بجز اللہ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی - اس لئے توحید وغیرہ کے ان متفق علیہ کاموں میں جھگڑا کرنا کسی کو کسی حال میں زیبا نہیں - جب ایسی کھلی ہوئی چیز میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پروا نہ کریں - آپ جس سیدھی راہ پر قائم ہیں لوگوں کو اسی طرف بلاتے رہئے اور خواہ مخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ خدائے واحد کے سپرد کیجئے وہ خود اُن کی تمام حرکات سے خوب واقف ہے - قیامت کے دن اُن کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کا عملی فیصلہ کرے گا - آپ دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے ان کی فکر میں زیادہ دردسری اٹھائیں - ایسے ضدی معاندین کا علاج خدا کے پاس ہے -

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط (پ ۲۱ ع ۳)

ترجمہ:- اور جنہوں نے ہمارے واسطے محنت کی - ہم اُن کو اپنی راہیں سمجھا دیں گے -

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں - اور طرح طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں - اللہ تعالیٰ اُن کو ایک خاص نورِ بصیرت عطا فرماتا ہے - اور اپنے قرب و رضا یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے - جوں جوں وہ ریاضات اور مجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر اُن کی معرفت و انکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے - اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا -

یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ پ ۲ ع ۱

قبلہ کے معین فرمانا تو طریقۂ عبادت کو بتلانے ...... کی غرض ہے - اصل عبادت ہرگز نہیں ہے - اور اس بارے میں حق تعالیٰ کا معاملہ جدا ہے کسی کو اپنی حکمت و رحمت کے مطابق ایک خاص رستہ بتلایا جاتا ہے - کسی کو دوسرا - اللہ تعالیٰ تمام مواقع اور جملہ جہات کا مالک ہے - جس کو جس وقت چاہتا ہے اس کو ایسا راستہ بتلا دیتا ہے جو نہایت سیدھا اور سب راستوں سے مختصر اور قریب تر ہو - چنانچہ ہم کو اس وقت اس قبلہ کی ہدایت فرمائی جو سب قبلوں میں افضل اور بہتر ہے -

قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَھْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝

پ ۲۶ - ع ۴

ترجمہ:- قرآن کے متعلق - جن بولے اے قوم ہماری - ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی - سب پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے - سچا دین اور سیدھی راہ سمجھاتی ہے -

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کر کے اپنے نور کی روشنی اُن پر ڈالی - جس پر وہ پڑ گئی وہ راہِ مستقیم پر برقرار ہو گیا - اور جس پر نہ پڑی وہ گمراہ رہا - اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ خدا کے علم میں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا -

ابو العالیہ کہتے ہیں - کہ صراط مستقیم سے مراد وہ راستہ ہے - جس پر رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے - اور یہی قول صحیح بھی ہے کیونکہ جس نے شیخین کی اقتداء کی وہ حق کا تابع ہوا اور جو حق کا تابع ہوا - وہ اسلام کا تابع ہوا - اور جو اسلام کا تابع ہوا - وہ قرآن پاک کا تابع ہوا -

علامہ سیوطی نے اتقان میں بیان کیا ہے کہ نواس بن سمعان رضؓ نے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا - خدا تعالیٰ نے صراطِ مستقیم مثالاً فرمایا ہے یعنی خدا نے ایک صراطِ مستقیم بنائی اور صراط کے دونوں جانب دیواریں ہیں - جن میں کھلے ہوئے دروازے ہیں اور دروازوں

پڑے لٹک رہے ہیں۔ صراط کے اس کنارہ پر ایک شخص بیٹھا ہے اور اوپر کی جانب بھی ایک شخص ہے۔ اس سرے پر بیٹھا ہوا آدمی کہتا ہے۔ لوگو! سب کے سب اس راہ میں آ جاؤ۔ اور کجراہی مت اختیار کرو۔ اور جب کوئی راہ گیر اُن دروازوں میں سے کسی دروازہ کو کھولنا چاہتا ہے۔ تو دوسرے سرے والا شخص پکار کر کہتا ہے۔ ارے بیوقوف! یہ دروازہ مت کھول۔ کیونکہ اگر اسکو کھولے گا تو اندر جا پڑے گا پھر حضور اکرم ﷺ نے اس تمثیل کا مطلب بیان فرمایا کہ صراطِ مستقیم اسلام ہے اور دونوں دیواریں حدودِ الٰہی ہیں اور دروازے محرماتِ شرعیہ ہیں اور درے کنارہ پر بیٹھا ہوا شخص کتاب الٰہی ہے اور بالائی سرے پر پکارنے والا ہر مسلمان کے دل میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک واعظ ہوتا ہے (ابن حاتم) (ترمذی۔ نسائی وغیرہ)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی سے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا یوں سمجھو کہ یہ اللہ کا ٹھیرایا ہوا راستہ ہے۔ بالکل سیدھا اس کے بعد اس لکیر کے دونوں طرف بہت سی ترچھی لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ طرح طرح کے راستے ہیں جو بنا لئے گئے ہیں۔ اور ان میں کوئی راستہ نہیں جس کی طرف بلانے کے لئے ایک شیطان موجود نہ ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی۔ وَ اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا ۔

آدمی کی سعادتِ کامل اور نجاتِ صحیح یہ ہے کہ اس کے عقائد بھی صحیح ہوں اور اعمال و اقوال بھی درست۔ نہ عقائد میں کمی یا مبالغہ ہو نہ اقوال و افعال میں کوتاہی۔ جن کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوگئیں اُن کو کامل سعادت اور پوری نعمت حاصل ہوگئی۔ لیکن اگر کسی کا عقیدہ خراب ہو، خدا تعالیٰ کی ذات وصفات، احوال قیامت وغیرہ کے متعلق فاسد عقیدہ اور غلط خیال رکھتا ہو اور اپنے اختراعی توہمات کو ہی عرفان تصور کر کے مست ہو رہا ہو اس پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اور جس کے افعال و اقوال خراب ہوں۔ فضائلِ حمیدہ اور فرائضِ دینیہ کے ادا کرنے سے بے بہرہ اور افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہو وہ گمراہ ہے اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے لوگ بھی سعادتِ کامل حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا مومن کو چاہیئے کہ عقیدہ بھی صحیح رکھے۔ اور فرائضِ الٰہی کا بھی پابند ہو تاکہ مکمل نجات اور پوری سعادت کا مستحق ہو جائے۔

اسلام۔ توحید اور قرآن و حدیث کے احکام پر عمل پیرا ہو۔

حاصل کلام } الٰہی تو اپنے طاعات و قوانین کا پابند بنا اور اُن پر پابند رکھ، نور معرفت عطا کر۔ نفسانی خطرے اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ۔ ہمارے دل کو اپنے نور سے منور کر دے۔ ہماری رضا و ارادہ کو اپنی راہ میں قربان کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اور بالآخر ہم کو صداقت کے مرتبہ میں پہنچا دے الٰہی جس طرح تو نے اپنے اُن بندوں کو راہ راست پر ڈال کر منزلِ مقصود کو پہنچایا۔ جن پر تو نے اپنا انعام کیا ہے۔ اسی طرح ہم کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ تاکہ راہ راست دیکھنے کے باوجود ہم گمراہ نہ ہو جائیں۔ بلکہ اس پر چل کر مقصد اصلی تک پہنچ جائیں۔ اور نجات ہم کو حاصل ہو جائے۔ کیونکہ منزل مقصود تک پہنچانا بھی تیرے ہی دستِ قدرت میں ہے۔

خدا تعالیٰ نے جن لوگوں پر انعام فرمایا۔ وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہی ایسے لوگ ہیں۔ جن پر خدا تعالیٰ نے اپنا انعام فرمایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کو ان بزرگ ہستیوں کی رفاقت نصیب ہو اس سے زیادہ خوش قسمت اور کون ہو سکتا ہے۔

اِمرأۃ الاسلام

(از جناب سید مشتاق حسین صاحب بخاری)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نام و نسب } رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ میں سب ازواج سے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی آپ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کا نام زینب اور ام الحکم کنیت تھی۔ قریش کے قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تھیں۔ والد کا نام جحش اور والدہ کا نام امیمہ تھا۔ جو حضورؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کی دختر تھیں۔ اسی بنا پر یہ حضور کی پھوپھی زاد بہن بنتی ہیں۔ آپ کا سال ولادت سن نبوی سے تقریباً سترہ سال پیشتر تھا۔

اسلام } کتب التاریخ میں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں مشرف با اسلام ہوئیں۔

نکاح اوّل } حضورؐ نے خود ان کا پہلا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنّٰی یعنی حضرت زید بن حارثہؓ سے کیا۔ حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح مساوات کی عجیب تعلیم دیتا ہے۔ یعنی ایک ہاشمی النسل خاتون کا ایک غلام سے ناطہ ہونا۔ کم از کم قریش کی تاریخ میں اس سے پیشتر ایسی کوئی مثال موجود نہ تھی کیونکہ خاندان بنو ہاشم کو کعبہ کی تولیت سے وہ فخر حاصل تھا کہ یمن کے بادشاہ بھی ان کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ اسلام میں بندگی اور شرافت کا معیار عالی نسبی اور فخر و ادعا نہیں۔ لہٰذا حضور کا ان سے عقد کر دینا کوئی عجوبہ نہ تھا کیونکہ حضرت زید کی صالحیت اور بزرگی کی صحیح شناخت حضور ہی فرما سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اس نکاح کی اور بھی وجوہ ہیں۔

اولاً یہ کہ اس زمانے میں متبنّٰی کو اولاد کی طرح سمجھ کر اس کی زوجہ سے ویسے ہی سلوک ہوتا تھا۔ چونکہ اسلام کو جاہلیت کی یہ رسم قائم رکھنی منظور نہ تھی۔ لہٰذا بعد میں حضورؐ کا ان سے نکاح اس قبیح رسم کو ختم کرنے کا باعث ہوا۔ ثانیاً یہ کہ حضورؐ کا مقصد یہ تھا کہ حضرت زیدؓ حضرت زینب کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کا حضرت زید سے عقد کرنا فی الواقع اسلامی مساوات کی شاندار مثال تھی لیکن طبیعتوں کا آپس میں نباہ کرانا کسی کے بس کا روگ نہیں۔ چنانچہ ایک سال تک دونوں کا ساتھ رہا۔ لیکن پھر تعلقات میں وہ شگفتگی باقی نہ رہی اور شکر رنجی بڑھتی گئی۔ صحیح ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر شاکی ہوئے کہ ان کا گزارہ حضرت زینبؓ سے مشکل ہے۔ لہٰذا وہ طلاق دینے پر آمادہ ہوئے لیکن نبی اکرم انہیں بار بار سمجھاتے تھے کہ وہ طلاق نہ دیں۔ اس حقیقت کی صراحت خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ سورۃ احزاب میں ہے کہ "اور جبکہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا۔ اور یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لئے رہو۔ اور خدا سے خوف کرو"

لیکن پھر بھی یہ بات بن نہ سکی اور حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی۔ حضرت زینبؓ حضورؐ نبی اکرم کی پھوپھی زاد ہمشیرہ تھیں۔ اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں۔ انہوں نے حضورؐ ہی کے کہنے پر حضرت زیدؓ سے رشتہ منظور کیا تھا ورنہ حضرت زیدؓ غلام رہ چکے تھے۔ حضرت زینبؓ کا ان سے عقد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اسی بنا پر حضرت زینبؓ کی طلاق کے بعد حضورؐ انکی دلجوئی اس صورت میں کرنا چاہتے تھے کہ انہیں اپنے نکاح میں لے لیں۔ لیکن حضرت زیدؓ آپ کے متبنّٰی تھے۔ جن کا درجہ عرب کی رسم و رواج کے مطابق بیٹے کے برابر ہوتا تھا۔ چونکہ بیٹے کی بیوہ سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضور اس خیال سے خاموش تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے آسانی کر دی اور سورہ احزاب میں یوں ارشاد ہوا:۔

اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

تکمیلِ حیات یا ارتقائے زندگی

از جناب قیوم نواز سید قریشی صاحب

انسانیت اس جہان کے نشیب و فراز لاکھوں برس سے عبور کرتی چلی آئی ہے کیا ابھی تک انسانی دماغ ایک ایسے پوشیدہ راز حاصل کرنے میں عاجز رہا ہے کہ اس کائنات میں حیاتِ انسانی کا راز کیا رہا۔ گویا مدعائے زندگی ایک ایسا دماغ سوز معمہ بن گیا ہے۔ کہ جس کا حل کرنا انسانیت کے لیے ایک نہایت پیچیدہ اور دشوار مسئلہ حیات رہا؟ کیا یہ انسان جو اپنے آپ کو موجودہ کائنات میں وارث جانتا ہے؟ اس لئے پیدا ہوا کہ وہ کھائے پیئے قتل و غارت کرے اور ایک مدت رہ کر اپنی ہستی کو منتقل کر دے؟ (کائنات میں وقت کا شمار نہیں ہے) نہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ اسی راز کا انکشاف کرنا نسلِ انسانی کے لئے ازل سے چلا آیا ہے۔ اور آج تک وہی پرانا انسان اسی جستجو میں کوشاں ہے کہ اس معمہ کو حل کیا جائے۔ اور اس رازِ حیات کو بے نقاب کیا جائے اور دریافت کیا جائے کہ تکمیلِ حیات موجودہ کائنات میں ممکن ہے یا منتقل ہونے کے بعد ہونے والی ہے اور اس گوشت و پوست کے لحمی لباس سے بدل کر ایک ایسے لطیف لباس میں ملبوس ہونے والی ہے جو ایسے مراحل طے کرنے کے بعد اس کثیف جسم سے لطیف میں منتقل ہو کر آخری ارتقاء تک پہنچ جائے۔ چنانچہ انسانی دماغ نے اس بات کو حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ مختلف ذرائع۔ اشکال اور وسائل سے کام لینا چاہا۔ لیکن ہوا ایسا ہے۔ کہ جو بھی کسی دماغ نے اس کی کھوج میں چند قدم بڑھائے اور کسی ایسے مقام پر پہنچ ہی گیا۔ جہاں اس کو نئی روشنی بھی ملنی شروع ہوئی۔ اور اس کی امید میں قوت بھی پیدا ہو جاتی تو یکایک ایسی قوت نمودار ہو جایا کرتی کہ جس کے باعث وہ محو ہو کے حقیقت حیرت کے عالم میں داخل ہو جاتا اور اس پر سکتہ طاری ہو جاتا۔ اور وہ روشنی جو اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھیں تاریکی میں بدلنے لگ جاتیں۔ اور اس گم شدہ منزل کے آخری الفاظ یوں نکلتے!

”میں نے جو کچھ اس دنیا میں ہوش پاتے ہی دیکھنا شروع کیا تا آخر دم تک اس سے زیادہ کچھ نہ دیکھ سکا۔ مانا کہ میں نے علوم کی بدولت بہت کچھ حاصل کیا۔ جہاں بین اور جستجو کی انتہا یہاں تک کہ اس جہان کے دشت و صحرا چھان مارے دریاؤں اور سمندروں کو عبور کرتا چلا گیا زمین کے چپہ چپہ کو ایسا روند ڈالا کہ اس کے تہ خانوں کو بھی خالی کر ڈالا۔ زمین تو در کنار۔ فضائے آسمانی کی دھجیاں بھی اڑا دیں۔ اور عالمِ بالا کے سیاروں ستاروں کی فضا کو بھی نہ چھوڑا۔ فطرت یعنی قدرت کے بیشمار مشاہدات کئے اور اپنی ایجادات و کمالات سے خدائی کو محوِ حیرت بھی کر دیا۔ لیکن اب میں ایسے مقام کی طرف جا رہا ہوں۔ جدھر مجھ سے بہتر افضل و اکمل انسان جا چکے ہیں۔ اور واپس نہیں آ سکے۔ میں آج بھی یہی کہتا جاؤں گا کہ جو کچھ میں نے اس قلیل عرصہ حیات میں پایا اور جو کچھ اب چھوڑتے وقت دیکھ رہا ہوں۔ دونوں میں امتیاز نہ کر سکا۔ اور کچھ بھی حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ جس منزل اور حقیقت کا میں طالب اور متلاشی تھا۔ وہ اب تک میرے لئے دور ہے اور میں نہیں جانتا کہ کون خوش نصیب اس منزل کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ یا میری طرح آج یہی حسرت بھری آرزوں اور نگاہوں سے منزلِ حقیقی سے منقطع ہو کر چل دے گا۔“

حضرات! یہ الفاظ خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہیں اور سینکڑوں مفکروں۔ مدبروں۔ حکیموں اور فیلسوفوں کے ادا کردہ ہیں۔ جن سے تاریخ عالم لبریز ہے۔

اس جہاں میں دماغی نقطہ کے لئے دو نظریئے چلے آئے اور ان کے پیش کرنے والے غیر معمولی تفکر کے انسان بھی پیدا ہوتے رہے۔ اور ان کے لئے ایک ہی مقام پر پہنچنا مقصود تھا۔ دونوں جماعتوں کی جستجو اور تلاش ایک ہی سمت رہی اور وہ یہی تھی کہ انسانیت کے لئے کیا اس کائنات میں سب کچھ موجود ہے یا کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے جو کہ مرنے کے بعد ملنے والی ہے۔ اور اس کے بغیر تکمیلِ حیات نامکمل ہے۔ یا اس کے حصول کے بغیر یہ دنیائے جہاں کی تمام چیزیں بے سود اور بے کار ہیں۔ اور ایسا مقام بھی موجود ہے جہاں موجودہ بیقراری اور بے صبری کے لئے سکون بھی مل سکتا ہے جو یہاں سے بہتر اور بالا تر ہے اور کیا اس کی ترغیب بھی نرالی ہے۔ یہ فطرتی اصول ہے کہ جب بھی کوئی مفکر اپنے ارتقائی نظریہ کو بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور جو علم اس کے قبضہ و اختیار میں ہوتا ہے اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے زیادہ پرواز کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کی کیفیت کچھ نرالی ہو جاتی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ ہاں صرف وہ خود اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دوسروں تک پہنچا نہیں سکتا۔ چنانچہ اس فطرتی جذبہ نے نوعِ انسان کی دماغی تشنگی اور قوتِ ادراک کو تسکین نہ دلائی بلکہ ارتقائے انسان کی تشنگی اور جنوں کا ولولہ بڑھتا ہی رہا۔ اور جوں جوں انسانی دماغ اس کی گہرائیوں میں سعی کرنے لگا۔ یعنی کھوج لگانے لگا تو اس کے احساسات اور بیداری میں متواتر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور نئی نئی راہیں منکشف ہونے لگیں تاریخ گذشتہ کی اوراق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اس دماغی بیداری کی تاریخ بھی حیرت انگیز ہے اور ویسے ہی پرانی جیسے یہ کائنات بلکہ فطرت کے مطابق ہے۔ یہ بیداری غیر فانی اور مسلسل ہے۔ انسان آتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ لیکن اس بیداری کو اپنے جانشینوں کے لئے مشعلِ راہ بناتے ہوئے چھوڑ جاتے ہیں۔ گویا یہ بیداری ایک ایسی منور شاہراہ ہے کہ جس کی کئی منازل ہیں۔ ہر منزل اپنی ابتدائی منزل سے کہیں خوشنما اور مسرت افزا ہوا کرتی ہے انسان جونہی ایک منزل طے کرتے ہی دوسری میں داخل ہونے لگتا ہے۔ تو یہی منزل پہلی سے زیادہ دلکش اور دلفریب نظر آنے لگتی ہے۔ اور دماغی یقین اور امید میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ پس ارتقائی رفتار جوں جوں تیز ہوتی جا رہی ہے۔ اس شاہراہِ اعظم کا منظر کچھ عجیب اور لطیف ہوتا جا رہا ہے۔ اور ابتدائی امید جو شروع سے دماغی بیداری کے ساتھ ساتھ پرورش پاتی رہی۔ اس کو بھی تقویت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ پس جو چیز ظاہری آنکھ نے دماغ سے دیکھی ہے یا دماغی آنکھ آئندہ کے لئے دیکھ سکتی ہے۔ اس کی بناء پر یقین پیدا ہو رہا ہے کہ یہ ارتقائی شاہراہ ایک ایسے مقام پر پہنچنے والی ہے۔ جہاں انسانی دماغ کی تشنگی بجھ جائے گی۔ اسی شاہراہِ تفکر و ارتقا کے لئے دو جماعتیں چلی آئی ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ حکما۔ شعراء۔ فلاسفر اور سائنسدان ہوا کرتے تھے۔ دوسری جماعت کے راہنما رسول، نبی پیامبر چلے آئے۔ پہلی جماعت والے اپنی دماغی تخیل اور تفکر میں ہر زمانے کے عام انسانوں سے علیحدہ اور بالاتر ہوا کرتے تھے۔ اور دوسری جماعت والے ہمیشہ تمام انسانوں میں رہ کر بغیر نفع و نقصان کے ان کی بہبودی۔ فلاح اور خدمت میں اپنی زندگیاں گذار دیتے تھے۔ پہلی جماعت کے انسان جب اپنی دنیا کا نقشہ اپنے تفکر اور تصور کی زمین پر قائم کرتے اور وہ خاکہ دوسرے انسانوں کے سامنے لا سکتے

اور اس کی تکمیل کے لئے جس قدر جتن بھی کرتے تو ان کے سامنے بے شمار پیچیدہ اسرار حائل ہو جاتے اور وہ اپنی تھوڑی زندگی میں مکمل نہ کر سکتے۔ کیونکہ ان کی روانگی کا وقت آجاتا اور وہ نامکمل دنیا کو چھوڑ جاتے یہاں تک کہ اسلاف کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے اس بات کا اعتراف بھی کیا۔ کہ وہ اپنی عمر قلیل میں اپنی تصوری دنیا کو اچھی طرح حاصل نہ کر سکے۔ بلکہ حیرانی اور سراسیمگی کی حالت میں سدھارے۔ خواہش خودی سے نہیں۔ خوشی سے نہیں۔ بے بسی۔ مجبوری اور ناخوشی سے مٹائے گئے رک بھی نہیں سکتے۔ بات کر بھی نہیں سکتے۔ آخری خیالات بتا بھی نہیں سکتے۔ ان کے آخری الفاظ صدا یہی رہے کہ جسکی تلاش میں آئے تھے۔ اس کا تو ذکر نہیں۔ بھلا ہم خود ایسے بیخود ہوئے کہ ہمارا مدعا ہم سے جاتا رہا اور ہم خاموشی کے عالم میں جا رہے ہیں۔ پس ایسے نامور انسان اس جہان میں اپنی ارتقائی دنیا کی تکمیل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تاکہ وہ رازِ زندگی کو بے باک کرنے میں اس نقاب کو ہٹا نہ سکے۔ لیکن وہ خود اپنے آپ کو کائنات کے ہولناک حوادث اور بڑے اثرات سے بچانے میں کامیاب ہوئے۔ گو وہ مٹ گئے۔ لیکن اُن کی کھوج کا اثر نہ مٹا۔ جو انسان کائنات کے رازِ ازل کو حاصل کرنے کی سعی کرے۔ لیکن سچائی اور حقیقت کے لئے ہوا کرے تو یہ فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ انسان اس فطرت کا سچا اور حقیقی دوست بن جاتا ہے۔ اور اقلیم فطرت میں بہت بلند اور صاحب قدر و منزلت ہو جاتا ہے۔ جو اس قانون کو سمجھ لے گا۔ اور پورے غور و فکر کے بعد اس پر عامل ہو سکے گا تو وہی انسان ایک لازوال سلطنت کا مالک بن سکے گا۔ کیونکہ فطرت اللہ ایک لازوال قانون ہے اور جس کی سمجھ میں یہ قانون آگیا گویا اس کے قبضے میں ایسے لازوال گنج کا راز آگیا۔ جو اس کی زندگی تک ختم ہونے والا نہیں۔ یہی لوگ اس جہان میں فطرتی خزانوں کے وارث بنتے رہے اور اپنی زندگیوں میں ایسے خزانوں کو خوب لوٹا۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہ سکا۔ حالانکہ وہ صاحب فہم و ذکا بھی تھے اور فطرت کے دلدادہ بھی۔ کیونکہ یہ بھی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ کسی چیز کو دائمی وقت کے لئے قائم نہیں رکھتی۔ اگر فطرت میں ایسا ہوتا تو وہ اپنی خود اختیاری میں فتور پیدا کر دیتی اور نظام کو تہ و بالا کر ڈالتی چنانچہ انسانی دماغ نے قانونِ فطرت کو جس طرح دیکھا وہ ابتدا سے ایک ہی رہا اور یونہی رہے گا۔ پس فطرت اللہ میں تبدیلی کا امکان نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کارساز نے اس کو ایسا مکمل۔ جامع اور پختہ بنایا ہے کہ اس میں نہ تو خامی ہے نہ خرابی۔ اور نہ ہی خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔

دوسری جماعت کے رہنما دنیاوی علوم کے ماہر نہیں ہوا کرتے تھے۔ تخیلات اور تصورات کی دنیا قائم نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے دماغ اور دل ان تمام حقیقتوں سے شناسا تھے اور فطرت کی گہرائیوں میں خوب جا سکتے تھے۔ اس لئے ان کو خاص خاص بیرونی علوم کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔ ان کو اتالیق اور راہبروں کی حاجت بھی نہیں رہتی تھی۔ اور نہ ہی کسی معلم کی نگرانی کے محتاج ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کے دل و دماغ کی ستھرائی۔ یکسوئی اور صفائی کی ایسی حالت ہوا کرتی تھی جس کے لئے صانع فطرت کا انتخاب ہو جایا کرتا تھا۔ وہ دماغی اختراع سے کام نہیں لیا کرتے تھے اور خیالی تصورات پیش نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کا دماغ فیضِ ربانی سے سیراب ہوتا رہتا تھا۔ اور اس شادابی سے جو پھل یا جوہر نمودار ہوا کرتے۔ دنیا کی مخلوق کے لئے باعث فیض ہوا کرتے تھے۔ "بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے سیدھے اور صحیح راستے پر چل سکے۔ اور راحت و مسرت کے ساتھ اس نامکمل زندگی کو عبور کرنے کے بعد حیاتِ جاوداں کو حاصل کرنے کی تکمیل کر سکے" وہ بلند خیال انسان نہایت پاک۔ نیک دل عادل بے لاگ۔ خادم خلق۔ وسیع اخلاق کے مالک ہوا کرتے تھے۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اپنا عمل بھی پیش کیا کرتے تھے۔ وہ فطرت اللہ کی باریکیوں کو خوب جانتے تھے اور سمجھنے میں دوسروں کی نسبت بہت زیادہ قبولیت رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کی راہنمائی صانع فطرت کرتا تھا۔ وہ دماغی راہنمائی کے قائل بھی نہ تھے۔ وہ صانع فطرت کی راہنمائی میں ایسے سیدھے اور مضبوط راستے پر چلتے رہے کہ وہ راحتِ ابدی کے وارث اور مالک بن گئے اور انہوں نے رازِ زندگی کو پا لیا۔ تکمیل حیات اُخروی جس کو ارتقا کہا گیا ہے اس کا راز بھی پا لیا۔ وہ سب کچھ دیکھ چکے تھے اور قانون فطرت کے ماہر بھی بن چکے تھے۔ جس کی بدولت وہ فطرت کی دولت کے خود مالک تھے کیونکہ وہ تمام فطرت اللہ کے ذخائر اُن کے راہنما نے ان کو بتا دئیے۔

پہلی جماعت والے اپنی ذات تک محدود رہے اور خود لطف اندوز ہوتے رہے۔ لیکن اپنے ہمنواؤں کو اس میں شریک نہ کر سکے۔ صرف اپنے خیالات چھوڑ گئے۔ دوسری جماعت کے راہنماؤں نے خود بھی سب کچھ حاصل کیا اور دوسروں کو بھی اس میں شریک کر لیا۔ بلکہ اخلاف کے لئے ایک ایسا نظام چھوڑا کہ جو حق دار ہوگا وہ ان املاک و ذخائر کا مالک بن سکے گا۔ پہلوں نے ارتقا کہا۔ دوسروں نے نجات و تکمیل کہی۔ وہاں بھی جسمانی زندگی کی انتہا ہے۔ یہاں بھی جسمانی زندگی کی آخری تکمیل۔ وہاں لطیف سے تعبیر کیا گیا۔ یہاں روح سے تعبیر کیا گیا وہاں مادیت سے بدل کر غیر مادیت میں بلند ہوتا ہے یہاں گوشت پوست سے نجات حاصل کرنے کے بعد حیات ابدی حاصل کرنی ہے۔ وہاں مادہ کو فطرت اور علوم کو قانون فطرت کہا گیا ہے۔ یہاں صانع فطرت کو اللہ اور قانونِ فطرت کو اسلام کہا گیا۔ اس کائنات میں ہر وہ انسان نجات یافتہ ہو سکتا ہے جو قانون فطرت کا مطیع و منقاد ہو۔ موجودہ دنیا میں آپ کے سامنے مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ جس ملک میں حکومت عدل اور سچائی پر مبنی ہو اور اس کے سچے اور نیکدل حاکم ملک کے قانون کا احترام کرتے ہوئے اپنی زندگیاں گزارتے رہیں تو دوسرے لوگ بھی خوشی و مسرت سے زندگیاں گزارتے ہیں۔ لیکن جو لوگ باغی رہتے ہیں وہ خود بھی ہلاک ہوتے ہیں اور اپنے ہمراہیوں کو بھی تباہ کرتے رہتے ہیں [illegible] وہ خود بھی اچھی زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔ اور دوسرے انسان کی بغاوت کر سکتا ہے۔ لیکن فطرت کی بغاوت ناممکن ہے۔ انسان ایک ہی ساخت کا ہوتا ہے۔ اور اگر سچائی پر ہوگا تو دوسرے انسان پر غالب آسکے گا۔ کیونکہ سچائی بھی فطرت اللہ کی جزو ہے۔ اور یہ ایک ایسی قوت ہے جس کے خلاف دنیا کے انسان اپنے پورے مہلک اور خطرناک ہتھیاروں کے ساتھ مقابلے پر نکل آئیں تو پھر بھی شکست کھائیں گے۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے۔ فتح ہمیشہ سچائی اور حق کی ہوا کرتی ہے۔ اگر سچا انسان کتنا ہی بے وسیلہ۔ نادار اور مفلس کیوں نہ ہو لیکن وہ اپنے حریف کے مقابلے میں کامیاب رہے گا۔ چاہے اس کا مخالف دنیا کے ساز و سامان کا مالک ہی کیوں نہ ہو فطرت اللہ کا انکار اور بغاوت کا انجام نامرادی اور ہلاکت ہے۔

اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ انسانی دماغ کسی قدر ترقی کر جائے یعنی علوم کی فراوانی ہو۔ زر و مال۔ جاہ و جلال میں لاثانی ہو۔ پانی اور ہوا پر حکمرانی ہو۔ ہر آن جانی بات جانی ہو۔ زمین کے ہر حصہ کو چھان ڈالا ہو۔ بلند اور دشوار پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کر لیا ہو۔ سیاروں اور ستاروں کے علوم سے منور بھی ہو چکا ہو۔ فطرت کے بھیدوں کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہوتے ہوئے اپنی برتری کا اعلان بھی کر دے۔ گو وہ اس انتہاء ارتقاء تک پہنچ جائے۔ جہاں انسان کو اس کا دماغ پہنچانا چاہتا ہے تو پھر بھی انسان ہی رہے گا۔ وہ مٹ جانے والا رہے گا اور قائم نہیں رہ سکے گا۔ اور نہ ہی خود خالق بن سکے گا۔ ہاں خالق کی بنی ہوئی چیزوں سے فیضیاب ہو کر مصنوعی خلقت پیدا کر لے گا۔ لیکن اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیدا نہیں کر سکے گا۔ اور نہ ہی فطرت اللہ کے مقابلے میں کوئی دوسری مقابل کی چیز لا سکے گا۔

(باقی آئندہ)

تہذیب جدید نے جہل قدیم کے کان کتر لیے

ابو یوسف سلطان پوری ملتان

جب سے دنیا ظہور میں آئی ہے۔ علم وجہل اور نور وظلمت کی طاقتیں برسرپیکار رہی ہیں۔ باطل کا مزاج ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ اور حق کی صدا بھی اُسی شہر سے سنی جاتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوا کہ باطل ہر زمانہ میں نت نئے روپ دھار کے آیا۔ اور جہالت کی ضمیر کہن کو ہمیشہ نئے شیشوں میں بھر کر دیتا رہا۔ اسی قسم کا ایک کرشمہ ہمارے سامنے موجودہ تہذیب ہے۔ جو مغرب کی خارزار وادیوں سے اُٹھی اور مشرق کے لالہ زاروں پر برق بن کر گری۔ اور اس کے گل و یاسمین کو خاکستر کر دیا۔ اسی چیز نے اکبر الہ آبادی کی روح کو تڑپایا۔ وہ کوچہ شرق کی موجیں یاد کرکے خون کے آنسو بہاتے ہیں۔ اور جوانانِ وطن و قوم کے سامنے اس تہذیب کی برائیاں طشت از بام کرتے ہیں ؎

ہوائے کوچۂ شرق کی موجیں یاد ہیں ہم کو
وہی تھی منزل راحت وہی رفتار اچھی تھی
نئی محفل کی ٹمٹماتی لو گویا طوق گردن ہے
وہی بُت خانہ بہتر تھا وہی زنار اچھی تھی

مجھے یہ کہنے میں ذرا تامّل نہیں۔ کہ یہ بہروپیا کچھ ایسا ایکسپرٹ "EXPERT" قسم کا نکلا۔ اور اس نے ایسا سوانگ بھرا کہ جس سے دیکھنے والے حیران رہ گئے۔ اور اُس کے نقلی کرنوں سے آنکھیں خیرہ ہوگئیں دنیا جہل قدیم کا ہمیشہ سے مذاق اڑاتی رہی ہے آئیے موازنہ کرکے دیکھیں۔ کہ اس میں اور اُس میں کیا فرق ہے ؛ جہلِ قدیم اپنی مشقی آزادی کے لئے بدنام ہے۔ مگر آج تجدد اور آزاد خیالی کی دنیا نے بھی فری لو (FREE LOVE) اپنا اصل الاصول بنا رکھا ہے۔ تہذیب جدید کے عمائد برسرِ اجلاس پکارتے ہیں کہ "بیوی سب کی بیوی اور شوہر سب کا شوہر ہے" ایک روسی مصنف اپنے ایک ناول میں لکھتا ہے۔ کہ شراب خوری اور زنا کوئی قابل شرم چیزیں نہیں ہیں۔ گناہ کوئی چیز نہیں۔ محبت کرنا۔ خوب پینا۔ اور عورتوں کا تعاقب کرنا (TO BE FOLLOWER) خاصہ مردانگی ہے۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے۔ اور فطری جذبہ گناہ نہیں ہوسکتا۔"

(۲) عرب کا وحشی بدو اپنی اولاد کو خوف املاق سے قتل کر ڈالتا تھا۔ لیکن آج نئی روشنی اور تہذیب کا امام بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ البتہ فرق اس قدر ضرور ہے۔ کہ وہ اُسی جہالت کو علم و فلسفہ میں لپیٹ کر دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ تو دنیا اُسے بدو کہنے کی بجائے ڈاکٹر کہتی ہے۔ بدّو کی اس حرکت کو تہذیب جدید نے قتل اولاد کہا۔.............. ... لیکن اس کی بربریت کو 'برتھ کنٹرول' کا نام دیا گیا واحسرتا! ایک بام دو ہوائیں۔

(۳) عرب کا بدو اپنی خانہ جنگی کی وجہ سے بدنام ہے۔ اس کی لڑائی اور غارتگری صرف طلب معاش کے لئے ہی تو تھی۔ مگر تہذیب جدید نے اسے معاف نہ کیا اور خونخوار درندہ کہا اسلام نے اگر اعلاء کلمۃ اللہ اور دین پسندی کے شارع عام کے ہر سدِّ راہ اور روڑے کو تلوار کی نوک سے اٹھانا چاہا۔ تو اسے مذہبی جنون کہدیا گیا۔ مگر آج تہذیب جدید کے برخود غلط ڈاکٹر ہر مقصد کے لئے تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ وہ چین کو افیون کھانے کے لئے فوجیں لے کر چڑھتے

....

....

اور اپنی سلطنت کی حفاظت کے لئے جبرالٹر سے ہانگ کانگ تک ہر ملک اور قوم کو غلامی کی زنجیریں پہنانے میں حق بجانب ہیں۔ وہ ارض فلسطین کو لالہ زار بنا سکتے ہیں۔ وہ خام پیداوار حاصل کرنے کے لئے اور نئی منڈیاں تلاش کرنے کے لئے ہر ملک پر حملہ کرسکتے ہیں۔ وہ وطن قوم اور بادشاہ کے نام پر لڑنے کے حق دار ہیں لیکن گر ہم نے خدا کے نام پر تلوار اٹھائی تو ہم سے بڑھ کر مذہبی دیوانہ وحشی، خونخوار بھیڑیا اور کوئی نہیں۔ مسولینی بھی اگرچہ اسی تہذیب کا کاشتہ پرداشتہ پودا ہے مگر اپنے نظریہ اختلاف کی بنا پر جب اس میں اور تہذیب کے ناز پروردہ انبار بنات میں کچھ چپقلش پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ اپنے حریفوں کو منہ توڑ جواب دیتا ہے۔ اور اس ابلہ فریب تہذیب جدید کی پردہ دری کرتا ہے۔

اقبال کی زبان سے سنئے۔

میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج
تم نے لوٹے بے نوا صحرانشینوں کے خیام
تم نے لوٹی کشتِ دہقان تم نے لوٹے تخت و تاج
پردہ تہذیب میں غارتگری آدم کشی
کل روا رکھی تھی تم نے میں روا رکھتا ہوں آج

دیکھئے کس تصریح سے اس کے نقائص عیاں کئے ہیں۔ یہ مسولینی کوئی شرق کا مُلّا مذہبی دیوانہ نہ تھا۔ بلکہ اسی تہذیب کا کپوت کہئے یا صحیح الفاظ میں سپوت کہئے۔ غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا۔ کہ تہذیب جدید جہل قدیم سے دو قدم آگے نکلی۔ جہالت میں بُرائی کو برائی کے پردہ میں بیان کیا جاتا تھا۔ اور برائی نام رکھا جاتا تھا۔ مگر اس تہذیب جدید میں اس کے لئے نظر فریب آڑ مہیا ہو جاتا ہے۔ اور بُرائی کو فلسفہ و اخلاق کے زور سے اچھائی دکھایا جاتا ہے۔ زہر کو تریاق کا نام دے کر آبِ حیات کی بوتلوں میں بھر دیا جاتا ہے۔ جس سے ہر انسان دھوکا کھا جاتا ہے۔ اور برائی کو اچھائی کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دنیا قتل اولاد کی وجہ سے عرب کے بدّو کو بدنام کرتی ہے۔ اور قتلِ اولادِ بنی اسرائیل کی وجہ سے فرعون بدنام ہے۔ مگر انصاف کیجئے کہ کیا برتھ کنٹرول کے جواز میں دلائل مہیا کرنے والا تہذیب کا ہر ڈاکٹر نسلِ انسانی کا قاتل و قاطع نہیں؛ مگر اس کا علاج ہی کیا ہے، جب کہ آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوں۔ اور ہر ذلّت کو بنظر استحسان دیکھا جائے اور ہماری حس اس قدر مردہ ہوچکی ہے۔ کہ ہم برائی کو دیکھتے ہوئے بھی اس سے چمٹے جاتے ہیں۔ ان حقائق کے پیشِ نظر کیا ہم یہ کہنے پر مجبور نہیں کہ تہذیب جدید نے جہلِ قدیم کے کان کتر لیے؟ آخر میں دعا ہے۔

اللهم اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وارزقنا اتباعهٗ والباطل باطلًا وارقنا اجتنابه

بقیہ امراۃ الاسلام

(صـ۲ سے آگے)

ہو جس کو اللہ ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ ڈرنا اللہ سے چاہئے۔

جب حضور کو اللہ تعالےٰ کا اشارہ مل گیا۔ تو آپ نے حضرت زید ہی سے فرمایا کہ میرا پیغام زینبؓ کے پاس لے کر جاؤ۔ جب زیدؓ ان کے گھر آئے تو وہ آٹا گوندھنے میں مصروف تھیں۔ چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا زینبؓ! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میں اس وقت تک کچھ کہہ نہیں سکتی۔ جب تک اپنے اللہ سے مشورہ نہ کر لوں۔ اور یہ کہہ کر وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور یہ دعا کی کہ یا اللہ تیرے رسولؐ مجھ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اگر میں اس قابل ہوں تو میرا نکاح ان سے فرما دے۔ اسی وقت حضور نبی اکرمؐ پر قرآن پاک کی یہ آیت فلما قضی زید ..... الخ تک نازل ہوئی حضورؐ نے فی الفور اس خوشخبری کی اطلاع حضرت زینبؓ کو بھیجی تو وہ خوشی سے سجدہ ریز ہوگئیں اور حضورؐ سے انکا عقد ہوگیا۔ آنحضرتؐ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

عروج وزوال کے الٰہی قوانین

(ازجناب مولوی محمد تقی صاحب امینی)

(۷)

(سلسلہ کے لئے دیکھو خدام الدین ۱۱ مئی ۱۹۵۶ء)

حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے

ان الله تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر فقراءھم فان جاعوا او عروا او جھدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی الله ان یحاسبھم ویعذبھم

اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر غریبوں کی معاشی ضروریات بقدر کفایت پوری کرنا فرض کر دیا ہے، اگر وہ ننگے، بھوکے یا اور کسی معاشی مصیبت میں مبتلا ہوں گے تو محض اس وجہ سے کہ مالدار ان کا حق نہیں دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حساب لے گا اور انھیں عذاب دے گا۔

حالات ومقامات کے اختلاف کی بنا پر زمین وجائداد کے فیصلے بھی مختلف ملتے ہیں، کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین تقسیم کر دی ہے، اور کہیں نہیں تقسیم کی صحابہ کرامؓ نے کبھی کسی کو زمین بطور عطیہ دیا ہے اور کبھی دے کر واپس لے لیا ہے، اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے کتاب "اسلام کا زرعی نظام" مطالعہ کرنا چاہیئے۔

حالات کی تبدیلی ہی کی بنا پر رسول اللہؐ کے دیئے ہوئے بہت سے عطیے صحابہؓ نے واپس لے لئے تھے، اور بہت سے نہیں لئے تھے، اسی طرح کہیں رسول اللہؐ نے سختی برتی اور کسی شے کی اہمیت پر بہت زور دیا، صحابہؓ نے وہاں نرمی برتی اور اس کی جگہ دوسری شے کی اہمیت پر زیادہ زور دیا۔ اس قسم کی مثالیں تاریخ میں بکثرت ملتی ہیں۔

تاریخ کو جب تک اس حیثیت سے سمجھنے کی کوشش نہ ہوگی، نہ اسلام کا مزاج سمجھ میں آئے گا اور نہ ہی اس دور میں کوئی مفید اور قابل قدر خدمت انجام دی جا سکے گی۔

قرآن حکیم کے بیان کی تفصیلات سے عمل وصالح پر استدلال

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں معاشرتی ومعاشی اخلاقی وسیاسی تہذیبی وتمدنی وغیرہ تمام چیزوں کے احکام موجود ہیں، اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ قیام وبقاء کے سلسلہ میں ان سب کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور دوسری یہ کہ قرآن کی نظر میں صاحب صلاحیت قوم وہی ہو سکتی ہے، جس نے مجموعی حیثیت سے اس کی بیان کردہ چیزوں میں اہلیت وصلاحیت پیدا کی ہو۔

اگر زندگی کے صرف ایک گوشہ میں جد وجہد کرنے سے قرآنی صلاحیت کا "سرٹیفکیٹ" مل جاتا تو پھر اسے اس قدر تفصیل سے بیان کرنے اور تمام گوشوں کے احاطہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

چونکہ دنیا مادی لحاظ سے ترقی کرتی جا رہی ہے اس لئے قرآنی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے زمانہ کے تقاضے کی مناسبت سے جد وجہد کرنا ضروری ہے۔

صلاحیت پیدا کرنے کے لئے رسول اللہؐ کے مختلف انتظامات

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس صالح سوسائٹی کے قیام وبقاء کی ضمانت لے کر آئے تھے اخلاقی تربیت کے ساتھ اس زمانہ کے لحاظ سے تہذیب وتمدن کی تمام ضرورتوں کو لازمی قرار دیا تھا مثال کے طور پر چند یہ ہیں:-

(۱) آپؐ نے تعلیم پر بہت کافی زور دیا اور اس کو عام کرنے کے مختلف انتظامات کئے، قرآن حکیم میں علم کے بارے میں بے شمار آیتیں ملتی ہیں اور تقریباً یہ سب آیتیں مکی دور کی ہیں، جو قومی زندگی میں صلاحیت پیدا کرنے کا ابتدائی زمانہ تھا۔

(۲) آپؐ نے صحابیوں کو دوسری زبانیں سیکھنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے فارسی، حبشی، عبرانی اور رومی (یونانی) زبانیں سیکھ لی تھیں، اور حضرت عبد اللہ بن زبیر کثیر زبانوں کے ماہر تھے۔

اسی طرح مختلف علوم وفنون سیکھنے کی تاکید فرمائی ریاضی، طب، علم ہیئت، علم انساب، علم تجوید وغیرہ، نشانہ بازی، تیراکی، شہسواری، تلوار چلانا وغیرہ۔

(۳) فنون حرب کی ترقی پر آپؐ نے خصوصیت کے ساتھ توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں ہر اچھی چیز جہاں سے ملی اختیار کرنے کا حکم دیا، صف بندی کو نہایت منظم کیا اور نماز کے ذریعہ صف بندی کی تربیت کی، روزے کے ذریعہ ہر موسم میں بھوک، پیاس برداشت کرنے کی مشق کرائی، حج کے ذریعہ کوچ کرنے اور قیام کرنے کی عادت ڈلوائی، زکوٰۃ کے ذریعہ خرچ کرنے کی اسپرٹ پیدا کی، فوجوں کی مشقیں، گھوڑوں، اونٹوں اور گدھوں کی دوڑ، تیر اندازی کا مقابلہ، فوجی اسپورٹ، سرکاری اصطبل اسلحہ خانہ وغیرہ سب کا ذکر تاریخ میں محفوظ ہے۔

(۴) نوجوانوں کی تربیت اور ان کی حوصلہ افزائی کو آپؐ نے بہت زیادہ اہمیت دی، اور ان کی ذاتی صلاحیتوں کو دیکھ کر یک فنی مہارت کا موقع بہم پہنچایا، چنانچہ کوئی حساب میں ماہر تھا اور کوئی سپہ سالاری میں کوئی قانون سازی و تاریخ میں اور کوئی تجارت وزراعت میں، کوئی صنعت وحرفت میں اور کوئی سیاست میں کوئی کاروبار میں اور کوئی نظم ونسق کے چلانے میں، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں نوجوانوں نے حصہ لیا اور حتی الامکان آپؐ نے اس کا انتظام فرمایا، نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کے سلسلہ میں اسپورٹ مردانہ کھیل، کشتی اور انعامی مقابلہ وغیرہ کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

(۵) معاشی تنظیم کی طرف آپؐ نے سب سے پہلے توجہ فرمائی، چنانچہ مکہ میں نو مسلموں کے درمیان بھائی چارہ کا نظام قائم کیا، اور مدینہ پہنچنے کے بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان اس نظام کو قائم کیا، یہ عملی طور پر باہمی تعاون واشتراک کا نظام تھا۔

(۶) عورتوں کی تعلیم وتربیت کا آپؐ نے علیحدہ انتظام کیا اور مختلف مشغلوں کی طرف جو ان کے لئے موزوں تھے، آپ نے انھیں توجہ دلائی۔

اسلام سے پہلے دنیا کی ترقی صرف مردوں کی اخلاقی ودماغی قوتوں کی کرشمہ سازی تھی، پیغمبر اسلام نے دونوں کو وسائل ترقی میں شریک ٹھہرایا، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جنت میں جس وقت حضرت آدمؑ کی ٹریننگ ہو رہی تھی، اس وقت حضرت حواؑ بھی ان کے ساتھ تھیں، یعنی ابتدا ہی سے یہ پالیسی متعین ہو چکی تھی کہ دنیا کے گلشن کو سجانے میں عورت ومرد دونوں اپنی اپنی حیثیت وصلاحیت کے مطابق شریک ہوں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پالیسی کو عملاً نافذ کیا اور حدود وقیود متعین کر کے زندگی کی جد وجہد میں انھیں حصہ لینے کا موقع دیا، چنانچہ بہت سی صحابیات کیرٹے بنتی تھیں، جو ان کے گھر کے لئے کافی ہوتا، بعض دباغت (رنگائی) ودست کاری اور سینا پرونا وغیرہ کرتی تھیں، بعض معلمہ تھیں اور بعض جراحی اور طب میں ماہر تھیں، بعض فقہ وحدیث وتفسیر

کی امامہ تھیں، غرض اس طرح مختلف کاموں کے ذریعہ ایک طرف تو وہ زندگی کو خوش حال بنانے میں مددگار ثابت ہوتیں اور دوسری طرف عضو معطل بن کر سوسائٹی کے لئے بار نہ بنتی تھیں، اس کے علاوہ زنانہ رضاکار کی حیثیت میں جنگ کے موقع پر وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، انھیں پانی پلاتیں، تیر چن کر اپنے ساتھیوں کو دیتیں اور ضرورت پڑنے پر خود تلوار کھینچ کر میدان میں اتر آتی تھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ فنون مدافعت عورتوں کو ضرور سکھائے جاتے رہے ہوں گے، مقررہ حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے مسلم خواتین کے عملی، سیاسی، علمی و مذہبی اتنے شاندار کارنامے تاریخ میں محفوظ ہیں کہ اس ترقی یافتہ آزادی کے دور میں مشکل سے اس کی نظیریں ملتی ہیں۔

زمانہ خلافت میں دینی اور قومی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے مفید چیز جہاں سے بھی ملی لے لی گئی تھی

(۷) قیام و بقاء کی جدوجہد کے سلسلہ میں قومی زندگی میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے اگر کچھ چیزیں دنیا کی دوسری قوموں سے لینی پڑیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس میں کسی قسم کا دریغ نہیں فرمایا۔ مثال کے طور پر چند یہ ہیں:-

خیبر کی لڑائی میں منجنیق سے دشمن کے قلعے پر پتھر برسائے گئے تھے، طائف کے محاصرہ میں دبابہ اور غرادہ کا استعمال کیا گیا تھا، یہ لڑائی کے ہتھیار یونانیوں اور ایرانیوں سے لئے گئے تھے منجنیق کی ترقی یافتہ شکل موجودہ دور میں حرکت کرنے والی ٹینک کی صورت میں نظر آتی ہے۔

غرادہ منجنیق ہی کی طرح پتھر وغیرہ دور پھینکنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

دبابہ ایک پہیئے والی گاڑی ہوتی تھی، جس کے اوپر کوئی موٹا چمڑہ منڈھ دیا جاتا تھا تاکہ تیروں سے اندر بیٹھنے والے آدمیوں کو تکلیف نہ پہنچائی جا سکے۔ غرادہ فصیلوں کو اکھاڑنے وغیرہ کے کام میں استعمال کیا جاتا تھا۔

غزوہ خندق میں خندق کھود کر پناہ لینے کی ترکیب ایرانیوں سے لی گئی تھی، خندق فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے، ملکی نظم و نسق اور طریقہ جنگ کے سلسلہ کی بہت سی باتیں یونان اور ایران سے لی گئی تھیں۔

خراج اور جزیہ کے قوانین میں نوشیرواں کے مرتب کردہ قانون سے استفادہ کیا گیا تھا، فوج اور خزانہ کا دفتر قائم کرنے میں رومیوں سے استفادہ کیا گیا تھا ارسطو اور بقراط کی طب جو آج مسلمانوں کی طب سمجھی جاتی ہے، وہ یونان سے لی گئی تھی۔

اسی طرح جنازہ رکھنے کا تابوت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات پر حبشہ سے لیا گیا تھا۔

لباس کے سلسلہ کی بعض چیزیں بھی دوسروں کی مروج ہو گئی تھیں۔

حاصل یہ ہے کہ زمانہ خلافت میں دینی اور قومی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے جہاں سے جو مفید چیز ملی، اس کے اختیار کرنے میں کسی قسم کا تامل نہیں ہوا، اور یہی چیزیں بعد میں اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو بنیں، الغرض اس طرح زندگی کے تمام گوشوں میں صلاحیت پیدا کر کے قیام و بقاء کی جدوجہد ہوئی تھی، جب کہیں جاکر مسلم قوم دنیا میں اتنے دن زندہ رہنے کے قابل بن سکی تھی۔

یہ چیزیں بطور نمونہ کے پیش کی گئی ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قومی زندگی میں کیسی صلاحیت ہونی چاہیئے، اور قیام و بقاء کے لئے کس قسم کی جدوجہد درکار ہے، نیز زمانہ خلافت میں حالات کے پیش نظر صلاحیت کا کیا معیار تھا اور آج کیا ہے؟

(۳) تواصی بالحق

قیام و بقاء کا تیسرا بنیادی اصول تواصی بالحق ہے، جس نظریۂ حیات کو حق مان کر قبول کیا ہے، جماعت کا ہر فرد علمی اور عملی حیثیت سے اس کا مبلغ ہو، اور اسی کے مطابق باہم گر تعلیم و تربیت کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہو اس کے مفہوم میں تعاون و اشتراک کے ذریعہ ایک دوسرے کو تقویت پہنچانے اور آگے بڑھنے بڑھانے کا جذبہ بھی شامل ہے۔

تفصیل یہ ہے:-

تواصی کی لغوی، صرفی اور اصطلاحی تحقیق اور اس موقع پر مادۂ وصیت لانے کا نکتہ

تواصی "وصیت" سے بنا ہے، وصیت کا مادہ عام اصطلاح میں اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو انسان کہہ کر مر جاتا ہے، لیکن قرآن حکیم کی خاص اصطلاح میں ہر تاکیدی اور واجبی حکم کے لئے مستعمل ہوتا ہے مثلاً "ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا" یہ عربی گرامر کے مطابق باب تفاعل سے ہے، جس کی خاصیت تشارکت ہے، جو مصدر اس باب سے آتا ہے اس میں بالعموم شرکت کے معنی پائے جاتے ہیں، اور وہ شرکت ایسی ہوتی ہے کہ ہر فرد سے فعل کا صادر ہونا ضروری ہوتا ہے۔

باب مفاعلت کی خاصیت بھی مشارکت بیان کی جاتی ہے، جس کے معنی باہمی شرکت کے ہیں لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ تفاعل میں صورۃً اور معناً ہر فرد فاعل ہوتا ہے، اور مفاعلت میں معناً ہر ایک فاعل ہوتا ہے، صورۃً نہیں، صورۃً اور معنی کا مذکورہ فرق غالباً اس لئے ہے کہ جس شدت اور یکسانیت کے ساتھ ہر فرد کی جانب سے فعل کا صدور اول الذکر میں ہوتا ہے، ثانی الذکر میں وہ شدت اور یکسانیت ملحوظ نہیں ہوتی ہے، اگرچہ اس میں بھی ہر ایک سے فعل صادر ہوتا ہے اور ہر ایک کے ساتھ دوسرا شریک ہوتا ہے۔

یہاں وصیت کا مادہ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ قیام و بقاء کی جدوجہد اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی، جب تک انسان اپنے مفاد کو اپنی مرغوبات کو فنا کر کے ترک و اختیار کی کسوٹی پر پورا نہ اترے، چونکہ ایسی صورت میں کسی مقصد کے حصول کے لئے گویا اپنے آپ کو فنا کرنے والا ہوتا ہے، اس لئے اس کے قول و فعل کی نوعیت یکسر بدل جاتی ہے اور ہاتھ پاؤں اعضاء و جوارح، زبان و قلم، عقل و دماغ غرض سب کچھ دوسرے کے بقاء کا سامان فراہم کرنے کے لئے وقف ہو جاتے ہیں اور اس طرح ساری جدوجہد دوسروں کے مفاد سے متعلق ہو جاتی ہے، جس طرح وصیت کرنے والے کی وصیت کا تمام تر تعلق دوسروں سے وابستہ ہوتا ہے اور موصی (وصیت کرنے والا) کی ذات کا سوال باقی نہیں رہتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات یہاں خاص اہمیت رکھتی ہے، وہ یہ کہ وصیت بالعموم عزیز قریب رشتہ دار وغیرہ کے لئے کی جاتی ہے، جن سے نہایت قریبی تعلق ہوتا ہے اور جن کی مصیبت و تکلیف برداشت کے قابل نہیں ہوتی ہے، اس لفظ کے لانے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ یہی حال بالکل قومی اور جماعتی زندگی کا ہے کہ آپس میں افراد کا تعلق اتنا گہرا ہو کہ ایک کی تکلیف کے تصور سے دوسرا بے چینی محسوس کرے اور اس کے لئے جو کچھ کہہ سکتا ہو یا کر سکتا ہو آخر دم تک کہتا اور کرتا رہے۔

تواصی میں ذمہ داری اور نگرانی کا مفہوم پایا جاتا ہے

لفظ وصیت میں ایک اور بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے، وہ یہ کہ دوسرے کے لئے کرنے اور کہنے میں اپنی ذمہ داری محسوس کرے یعنی اندر کے ابھار اور قلبی میلان کے باوجود یہ بھی سمجھے کہ میں اس کا ذمہ دار ہوں، اس کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنا میرا فرض منصبی ہے، کلام عرب میں یہ مادہ جہاں کہیں استعمال ہوا ہے اگر بطور کنایہ استعمال نہیں کیا گیا ہے تو مذکورہ مفہوم کا ضرور لحاظ رکھا گیا ہے، اسی بنا پر "وصی" اس کو کہتے ہیں جسے ذمہ دار بنایا جاتا ہے اور جس کے سپرد معاملہ کیا جاتا ہے۔

"والوصی اسم یقع علی من تکل الیہ امرک" محاورہ ہے "کن وصی نفسک" تو اپنا وصی (ذمہ دار

و نگران، بن جا۔ کن من توصی الیہ بنفسک"

اسی ذمہ داری اور نگرانی کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:—

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (الحدیث)

خوب غور سے سن لو ہر شخص نگہبان کا "راعی" ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

رعی کے معنی "حفظ الغیر لمصلحتہ" دوسرے کی مصلحت کے پیش نظر اس کی حفاظت و نگہبانی کرنا اس لحاظ سے راعی اس کو کہتے ہیں جو کسی کا منتظم اور نگراں ہو۔ "الراعی" کل من ولی امر قوم"

چونکہ قومی اور جماعتی زندگی میں ہر فرد دوسرے کا ذمہ دار اور نگراں ہوتا ہے، اس لئے جب تباہی و بربادی آتی ہے تو سب اس کی زد میں آجاتے ہیں ظالم و بدکار تو اس بناء پر کہ وہ مجرم ہیں، اور غیر ظالم و بدکار اس لئے کہ انھوں نے ظالم کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑا، جس طرح آگ جب محلہ میں بھڑک اٹھتی ہے تو صرف لگانے والے ہی کو نہیں جلاتی بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، اور اس لئے آجاتے ہیں کہ ان لوگوں نے لگانے والے کا ہاتھ کیوں نہیں پکڑا یا جب وہ لگا چکا تھا تو بروقت بجھانے کی کوشش کیوں نہ کی، درج ذیل آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ واعلموا ان اللہ شدید العقاب ۸ (۲۵)

اور اس فتنہ سے بچے رہو جس کی زد صرف انھیں پر نہ پڑے گی جو تم میں سے ظلم کرنے والے ہیں، بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اس آیت میں اجتماعی زندگی کے تمام ان چھوٹے بڑے خطرات کی طرف اشارہ ہے جو آگے چل کر ہلاکت و بربادی کا موجب بنتے ہیں، ابتداء میں ان کی حیثیت چوں کہ معمولی ہوتی ہے، اس بناء پر ان کی طرف توجہ کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں محسوس ہوتی ہے، لیکن رفتہ رفتہ وہ اس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی وجہ سے پوری قوم بھسم ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس مفہوم کے سمجھنے میں ذیل کی دو حدیثیں مدد پہنچاتی ہیں:—

قیل یا رسول اللہ انھلک وفینا الصالحون قال نعم اذا کثر الخبث

رسول اللہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ ہم لوگ ایسی حالت میں بھی ہلاک کر دیے جائیں گے، جب کہ صالحین ہم میں موجود ہوں گے، تو آپ نے فرمایا کہ ہاں جب خباثت زیادہ ہو جائے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے:—

ما من قوم یعمل فیھم بالمعاصی ھم اکثر ممن یعمل فلم ینکروا الا عمھم اللہ بعذاب

جس قوم میں لوگ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور وہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور دوسرے لوگ ان پر نکیر نہیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا عذاب سب کو عام ہوتا ہے۔ یعم الجمیع من العاصین ومن لم یعص اذا لم ینکر

احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۰

قرآن حکیم کا یہ کارنامہ نہایت شاندار اور معجزانہ ہے کہ اس نے نہ صرف ایمان اور عمل صالح کا جامع نظام پیش کیا، خطرات کے انسداد کا انتظام کیا — بلکہ "تواصی بالحق" کے ذریعہ اس نے ہر فرد کو ذمہ دار ٹھہرایا

الحق کی لغوی تحقیق

الحق، حق یحق کا مصدر ہے، جس کے معنی ثبوت اور قیام کے ہیں، اور حق کے لغوی معنی ثابت، قائم، اٹل امٹ کے ہیں، کلام عرب میں یہ لفظ جہاں کہیں استعمال ہوتا ہے وہاں ثبوت، قیام، نہ ٹلنا، نہ مٹنا وغیرہ الفاظ کے مفہوم کا پایا جانا یقینی ہے۔

اسی بناء پر جو کپڑا نہایت مضبوط اور پائیدار بنا جاتا ہے اسے "ثوب محقق" ای ثوب محکم نسجہ کہتے ہیں، مفسرین کی تشریح اور عربی زبان کے ماہرین کی تحقیق سے یہی حقیقت مترشح ہوتی ہے، چناں چہ قاضی بیضاوی کہتے ہیں۔

الحق الثابت الذی لا یسوغ انکارہ

الحق وہ حقیقت ثابتہ ہے کہ جس کا انکار کرنا آسان نہ ہو۔

امام راغب اصفہانی کہتے ہیں

اصل الحق المطابقۃ والموافقۃ

الحق کی اصلیت مطابقت اور موافقت ہے۔ یعنی جب کہا جاتا ہے کہ یہ قول و فعل یا یہ شئے حق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حقیقت اور نفس الامر کے مطابق و موافق ہے۔

تفسیر مدارک اور تفسیر مظہری میں بھی بیضاوی جیسی تشریح کی گئی ہے۔

البتہ مظہری میں قاضی ثناء اللہ نے لا یسوغ کا مطلب لا یجوز سے بیان کیا ہے۔ اور بیضاوی کے محشی نے اس کا ترجمہ لا یصح سے کیا ہے۔

قرآن حکیم میں "سائغ" شرابہ آیا ہے، جس کے معنی سہل انحدارہ" (اس کا اترنا آسان ہے) کے ہیں اس لئے مذکورہ "لا یسوغ انکارہ" کا ترجمہ انکار کرنا آسان نہ ہو" سے کیا گیا ہے، ورنہ اس موقع پر لا یصح اور لا یجوز وغیرہ سب درست ہیں۔

بقیہ بچوں کا صفحہ

دعا اور سلام

رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب پھر پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرو۔ دائیں طرف سلام کہتے وقت دائیں طرف منہ پھیرو۔ اور دائیں طرف کے فرشتوں اور نمازیوں پر سلام کی نیت کرو۔ اور بائیں طرف سلام کہتے وقت بائیں طرف منہ پھیرو اور بائیں طرف کے فرشتوں اور نمازیوں پر سلام کی نیت کرو۔ اور جس طرف امام ہو۔ اس طرف کے سلام میں امام کی بھی نیت کرو۔ اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہے۔ تو تشہد کے بعد درود شریف اور دعا نہ پڑھو۔ بلکہ تکبیر (اللہ اکبر) کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور تیسری اور چوتھی رکعت اگر فرض ہے۔ تو اکیلے ہونے کی صورت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھو۔ اور امام کے پیچھے ہونے کی صورت میں امام کے ساتھ رکوع میں جاؤ۔ اور باقی سجدے۔ تشہد۔ درود دعا اور سلام اوپر کی طرح پورے کرو۔ یعنی اگر تین رکعت کی نماز ہے۔ تو چوتھی رکعت کے بعد دونوں سجدوں کے بعد تشہد کے لئے بیٹھ کر التحیات درود شریف اور دعا پڑھ کر دیئے گئے طریقہ پر سلام پھیرو۔

نوٹ: سنتوں اور نفلوں کی تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک ایک سورۃ ملائے۔ اور باقی نماز اوپر کی طرح پوری کرے۔ فرض نماز کا سلام پھیر کر یہ دعا پڑھے۔ اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام اور اپنی جائز ضرورتوں کے پورا ہونے کی التجا کرے۔ اس طرح ساری نماز ختم کرنے کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ کر دعا کرے

پاکستان

صحیح معنوں میں کب جمہوریہ اسلامیہ بنے گا؟

کتاب و سنت کا قانون کب رائج ہوگا؟

فحاشی کے اڈے سینما ریس شراب خوری جوا بازی اور دوسری برائیاں کب دور ہوں گی؟

(ادارہ)

بچوں کا صفحہ

نماز پنجگانہ پڑھنے کا طریق

ماسٹر اللہ دتہ عبداللہ پوری ہیڈ ماسٹر چک ۴۸ ضلع شیخوپورہ

جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرو

۱- اپنا بدن پاک اور صاف کر لو۔ اور نماز پڑھنے کی نیت سے وضو کرو۔

۲- پاک کپڑے پہنو بچیاں منہ دونو ہاتھ اور دونو پاؤں کے سوا سر سے ٹخنوں کے نیچے تک سارا بدن خوب ڈھانپ لیں۔ بچے اپنے ٹخنے ننگے رکھیں۔

۳- پاک جگہ پر کھڑے ہو۔

۴- کعبہ شریف کی طرف منہ کرو۔ اور اس طرح کھڑے ہو۔ کہ دونو قدموں کے درمیان قدرتی فاصلہ ہو۔

۵- وقت پر نماز پڑھو۔ نہ پہلے پڑھو نہ دیر کرو۔ جو نماز پڑھنی ہے۔ اس کی نیت دل سے کرو۔

قیام

پھر لڑکے دونو ہاتھ کانوں تک اٹھائیں لیکن لڑکیاں صرف کندھوں تک اٹھائیں۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں کعبہ کے رُخ رہیں۔ اور اللہ اکبر کہہ کر دونو ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لیں اور لڑکیاں دونو ہاتھ سینے پر باندھیں۔ لڑکے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھنگلیا کا حلقہ بنا کر بائیں کلائی کو پکڑ لیں اور دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلیاں بائیں کلائی پر بچھا دیں۔ لڑکیاں ایسا نہ کریں۔ وہ صرف دائیں ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھیں۔ نظر سجدہ کی جگہ پر رکھو۔ ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ ثنا، تعوذ اور تسمیہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اگر یاد نہ ہو۔ تو پہلے یاد کر لو۔ جب سورہ ختم کر لو۔ آمین کہو۔ پھر کوئی چھوٹی یا بڑی سورت یا کم از کم تین آیتیں پڑھو۔ یہ سب صاف صاف اور صحیح صحیح پڑھو جلدی نہ کرو

رکوع

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں جھک جاؤ۔ لڑکے انگلیاں کھول کر گھٹنوں کو پکڑیں اور سر کو پیٹھ کی سیدھ میں رکھیں۔ ہاتھ پسلیوں سے الگ رہیں۔ اور پنڈلیاں سیدھی رہیں۔ لڑکیاں اپنی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھیں اور صرف اتنا جھکیں۔ کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں اپنی کہنیاں پہلوؤں سے ملا کر رکھیں پھر رکوع کی تسبیح جو نیچے دی گئی ہے۔ تین یا پانچ مرتبہ پڑھیں

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ہ

تسمیع و تحمید

پھر سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ بھی کہو۔ لیکن امام صرف تسمیع (سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ) پڑھے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے صرف رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھیں جو اکیلا نماز پڑھے وہ دونو پڑھے۔

سجدہ

پھر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جاؤ۔ پہلے دونو گھٹنے پھر دونو ہاتھ پھر ناک اور پھر ماتھا زمین پر رکھو۔ ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر کعبہ کے رخ سیدھی رکھو۔ چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان اور کان انگوٹھوں کے مقابل رہیں۔ کہنیاں پسلیوں سے اور پیٹ ران سے الگ رہے۔ کہنیاں زمین پر نہ بچھائیں۔ اور پاؤں کی انگلیاں زمین کے ساتھ لگی ہوئی کھڑی رہیں۔ سجدہ کرنے کی یہ حالت لڑکوں کے لئے ہے۔ لڑکیاں پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے ملائے رکھیں کہنیاں زمین پر بچھا لیں۔ اور پاؤں کی انگلیاں کھڑی نہ رکھیں۔ پھر تین یا پانچ بار سجدہ کی تسبیح سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھو۔

جلسہ

اب پہلے ماتھا پھر ناک۔ پھر ہاتھ زمین سے اٹھا کر تکبیر (اللہ اکبر) کہتے ہوئے اٹھو اور سیدھے بیٹھو لڑکے دائیں پاؤں کو انگلیوں کے بل کھڑا رکھیں۔ اور بائیں پاؤں کو دائیں طرف موڑ کر اس کے اوپر بیٹھیں لڑکیاں دونوں پاؤں دائیں طرف موڑیں (نکال لیں) اور بائیں طرف بیٹھیں۔ دونو ہاتھ زانو پر رکھو دونوں پاؤں کی انگلیوں کے سر قبلے کی طرف رہیں۔ پھر تکبیر کہہ کر دوسرا سجدہ پہلے سجدہ کی طرح کرو۔ اور تکبیر کہتے ہوئے اٹھو۔ پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ اور پھر گھٹنے اٹھا کر پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہو جاؤ ایک رکعت پوری ہو گئی۔ اب دوسری رکعت کے لئے پہلی رکعت کی طرح ہاتھ باندھ لو۔ اور تسمیہ سورۃ فاتحہ اس کے بعد قرآن کی تین سے زائد آیات پڑھو۔ پھر پہلی رکعت کی طرح رکوع تسمیع و تحمید۔ سجدہ۔ جلسہ اور دوسرا سجدہ کرو۔ دوسرے سجدہ سے اُٹھ کر سیدھے بیٹھو (جیسے اوپر بتایا گیا) دونو ہاتھ رانوں پر رکھو۔ اور التحیات (تشہد) پڑھو یہ نیچے لکھی جاتی ہے

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ الطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

جب اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ پر پہنچو۔ تو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لو (حلقہ ○) اور چھنگلیا اور اس کے پاس والی انگلی اٹھا کر بند کر لو۔ اور انگوٹھے کے پاس والی انگلی اٹھا کر اشارہ کرو۔ لَآ اِلٰہَ پر انگلی اٹھاؤ۔ اور اِلَّا اللّٰہُ پر جھکا دو۔ اور اسی طرح آخر تک حلقہ باندھے رکھو۔ اگر دو رکعت والی نماز ہو۔ تو تشہد ختم کر کے درود شریف اور دعا پڑھو۔ یہ نیچے لکھ دئے جاتے ہیں

درود شریف

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ہ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ہ

(باقی آئندہ)

منظور شدہ محکمہ تعلیم لاہور۔ ریکمن بذریعہ چٹھی نمبری ۶/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

ہفتہ وار خبریں

ایڈیٹر۔
عبدالمنان چوہان

بدل اشتراک
سالانہ ...... ۵ روپے ۱۱
ششماہی ...... ۳ روپے
فی پرچہ ...... ۲ /

—— لاہور ۱۴ جون۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ حکومت مغربی پاکستان نے مرکزی ارباب اختیار کو مطلع کیا ہے کہ صوبے میں غذائی قلت کے خدشہ کے پیش نظر غیر ممالک سے کم و بیش پانچ لاکھ ٹن گندم درآمد کرنی چاہیئے۔

—— ڈھاکہ۔ ۱۵ جون۔ حکومت پاکستان نے فرانسیسی حکومت سے کہا کہ الجزائر میں جنگ بند کی جائے۔ اور جنگ بند ہوتے ہی قوم پرستوں سے صلح کی بات چیت شروع کر دی جائے۔

—— ڈھاکہ۔ ۱۵ جون۔ معلوم ہوا ہے کہ دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس میں مسئلہ کشمیر پر بحث کی جائے گی۔

—— کراچی۔ ۱۶ جون۔ آج یہاں ایک سرکاری اعلان میں بتایا گیا ہے کہ شاہ افغانستان کی علالت کے پیش نظر صدر پاکستان نے دورۂ کابل اگست تک ملتوی کر دیا ہے۔

—— کوئٹہ۔ ۱۸ جون۔ لاہور اور راولپنڈی سے موٹروں کے دو قافلے جو ساڑھے تین سو عازمین حج کو لے کر مکہ معظمہ جا رہے ہیں۔ آج کوئٹہ پہنچ گئے۔ تیسرا قافلہ جس میں عازمین حج سفر کر رہے ہیں۔ عنقریب حیدرآباد سے روانہ ہو جائے گا۔

—— کراچی۔ ۱۸ جون معلوم ہوا ہے کہ حکومت پاکستان اسلامی ملکوں کی کانفرنس طلب کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ جس میں الجزائر۔ فلسطین اور کشمیر جیسے مسائل پر وزارتی سطح پر غور و خوض کیا جائے گا۔

—— لاہور۔ ۱۹ جون۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت مغربی پاکستان سابق پنجاب کے علاقوں میں بے دخل ہونیوالے تقریباً پچاس ہزار مزارعین کو متبادل زمین مہیا کرنے کا انتظام کر رہی ہے۔

—— لاہور۔ ۱۹ جون۔ حکومت مغربی پاکستان نے تمام صوبے کے دیہی علاقوں میں زرعی زمین کی نیم مستقل الاٹمنٹوں کو مستقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے

—— نئی دہلی۔ ۱۴ جون۔ آل انڈیا ریڈیو کی اطلاع کے مطابق گزشتہ اتوار اور پیر کو افغانستان میں جو زلزلہ آیا تھا۔ اس میں چھ سو افراد ہلاک ہو گئے اور ہزاروں مکان گر گئے۔

—— جدہ۔ ۱۵ جون۔ مشرقی پاکستان کے عازمین حج کا جہاز "رضوان" بخیریت چاٹگام سے جدہ پہنچ گیا ہے۔

(پنجاب پریس لاہور میں باہتمام مولوی عبید اللہ انور پرنٹر پبلشر چھپا۔ اور دفتر رسالہ خدام الدین شیرانوالہ گیٹ سے شائع ہوا)

پاک لاک ہاؤس